عجائب و غرائب

تصنیفِ لطیف

حضور فیض ملت مفسر اعظم پاکستان
حضرت علامہ الحافظ ابو صالح مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ

 Owaisi Books

www.faizahmedowaisi.com



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَبْدَعَ الْأَفْلَاکَ وَالْأَرْضِیْنَ وَخَلَقَ فِیْهَا مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ لِلْمَخْلُوْقِیْنَ، وَزَیَّنَ السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِالْمَصَابِیْحِ وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطَانٍ رَجِیْمٍ لَئِیْمٍ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی تَاجِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ، وَعَلٰی آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَعُلَمَاءِ أُمَّتِهٖ وَأَوْلِیَاءِ مِلَّتِهٖ أَجْمَعِیْنَ۔

امابعد! فقیر ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غُفِرَلَہ نے کئی کُتُب ورَسائِل تَصنیف کئے، اَثنائے تَصنیف (دورانِ تحریر) مُتقَدِّمین کی تصانیف وتالیف سے عَجائِب وغَرائِب نَظر سے گُذرے چونکہ عَجائِب وغَرائِب سے ناظرین (دیکھنے والے) وسامعین (سننے والے) کو ایک گونہ (قِسم کی) فرحت (خوشی) وسُرور (سُکون) نَصیب ہوتا ہے اور کسی کو غم واَلم (تکلیف) اور حُزن (دُکھ) ومَلال (پریشانی) سے بچانا بھی ایک گونہ (قِسم کی) خدمتِ خَلق (مخلوق کی خِدمت) ہے اس تالیف کو خدمتِ خَلق (جو بہترین عمل ہے) سمجھ کر ۱۸ رجب ۱۳۹۰ھ سے آغاز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اِس حقیر **خِدمت** کو قبول فرمائے۔ ناظرین وسامعین کو دُنیوی ودینی فَوائِد سے مالامال کرے اور فقیر کے لئے توشۂ (ذخیرہ) آخرت بنائے۔ (آمِیْن بِجَاہِ حَبِیْبِہٖ طٰهٰ وَیٰسٓ ﷺ)

مُقدّمہ: یادرہے کہ عَجائِب، عَجیب کی جمع ہے۔ (ڈکشنری اردو ص ۴۷۳ ج ۲)

سوال: عَجیب بَروَزنِ فَعِیل کی جمع توبروزن عَجائِب بروزنِ فَعَائِل نہیں آتی بلکہ یہ وزن **عَجیبه** کی جمع کا ہے۔

جواب: شرح جامی اوراُس کی شُروح میں ہے کہ ہر وہ صفتِ جُموع (جو) شَیٔ کا اِسم (نام) بن جائے تو پھر اُس کی جمع مونث کے صیغوں پر لانا چاہیئے۔ نَحوی حَضرات مرفَوعات کو مرفُوع کی اور منصوبات کو منصوب کی اور مجرورات اور توَابع کو تابع وغیرہ کی جمع کہتے ہیں اور الایام، الخالیات اور دیگر جُموع اِس قانون کی تائید (حِمایت) کرتی ہیں۔ تفصیل، فقیر کی شرح "شرح جامی الموسوم بہ نعم الحامی" میں ملاحظہ ہو۔

(لفظ) عَجیب بھی عُرف میں ایک اِسم (نام) ہو گیا ہے کیونکہ عَجیب ہم اُس شَیٔ کو کہتے ہیں جسے دیکھ کر یا سُن کر انسان کو تَعجُّب لاحق ہو یعنی ہر وہ شَیٔ جو تَعجُّب میں ڈالے۔ (عَجیب کو) عَجب سے مُشتق (بنایا گیا) ہے از باب عَلِمَ یَعْلَمُ بمعنٰی تَعجُّب کرنا اگر اُس کے بعد لفظِ اِلیٰ واقع ہو تو بمعنٰی پسند کرنا (ہوتا ہے) چُنانچِہ کہا جاتا ہے: عَجِبَ اِلَیْہِ اور پہلے معنٰی میں مُسْتَعْمَل ہو تو اُس کا صلہ لام یا مِن آئیگا کما یقال عجب مِن الامر یا عجبت منه اور تَعَجُّب اور اِستَعجَب اور اِستِفعال بھی اِسی معنٰی میں مُسْتَعْمَل ہوتے ہیں، یعنی بمعنٰی تَعجُّب کرنا اور تَعَجُّب بمعنٰی فَریفتہ کرنا اور فتنے میں ڈال دینے کے معنٰی میں آتا ہے کما یقال تَعَجَّبَنِی فُلاں یعنی فُلاں نے مجھے فَریفتہ کر دیا اور فتنے میں اگر افعال اور تَفعِیل کے باب پر ہو تو بمعنٰی تَعجُّب میں ڈال دینا کما یقال اَعْجَبَهٗ و عجبته یعنی فلاں نے تَعجُّب میں ڈالا۔ اگر افعال کا صلہ باء ہو تو بمعنٰی خوش ہونا کما یقال اُعْجِبَ بِالشَّیْءِ (بصیغۂ مجہول) اور بمعنٰی غرور کرنا اور تکبُّر کرنا۔

سوال: مَا اَعْجَبَهٗ یہ بمعنٰی وہ اپنی رائے پر مغرور ہے فِعْلِ تَعجُّب کو فِعْلِ مَجْہُول یعنی اَعْجَبَ بِنَفْسِهٖ سے کیوں بنایا گیا ہے حالانکہ یہ فِعْلِ لازم سے بنتا ہے۔

جواب: شاذ ہے (کذا فی المنجد) عَجیب کے دوسرے اَلفاظ عَجاب بضم العین اور عجب بفتحتین اور عَجاب بضم العین وتشدید الجیم اور بضم العین و سکون الجیم بھی بمعنٰی عَجیب کے آیا ہے اور یہ سب مُبالَغہ پر بولتے ہیں ویسے العجب بسکون الجیم ہر چیز کا پچھلا حِصّہ، دُم کی جَڑ، اِس کی جمع عُجوب آتی ہے اور العجب بضم العین وسکون ا لجیم بمعنٰی فخر، تکبُّر، خود بینی، پیش آنے والی چیز سے اِنکار، اور العجب بفتحتین بمعنٰی حیرانی و تعجُّب اور اللہ تعالٰی کے لئے مُستَعْمَل ہو تو بمعنٰی رضا اُس کی جمع اَعْجاب آتی ہے۔ عَجیب کی جمع عَجائِب اور اُس کی (جمع) عَجائِبات آتی ہے، عجابۃ اُس شخص کو کہتے ہیں جو عُجب کرنے والا ہو۔ التعاجیب بمعنٰی عَجائِبا ت اِس کی کوئی واحِد نہیں اور العُجَباء وہ عورتیں جنکی خوبصورتی پر لوگوں کو تَعجُّب ہو۔

قرآن میں اِس کا اِطلاق بیس مَقامات پر ہوا ہے۔ فہرِست، ذیل (نیچے) ملاحظہ ہو:

آیت	ترجمہ	نمبرسورت	نمبرآیہ
بَلْ عَجِبوا أَنْ	بلکہ اُن کو تَعجُّب ہوا	۵۰	۲
بَلْ عَجِبْتَ	بلکہ تو تَعجُّب کرتا ہے	۳۸	۵
أَوَعَجِبْتُمْ	کیا تم کو تَعجُّب ہوا	۷	۶۹-۶۳
أَعْجَبَ الْكُفَّارَ	خوش لگا کسانوں کو	۵۷	۲۰
أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ	خوش لگے تجھے اُن کی صورت	۳۳	۵۳
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ	بھلی لگے تمہیں ناپاک کی کثرت	۵	۱۰۰
وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ	اگر تمہیں بھلی لگے	۲	۲۲۱
ولواعجبتکم	اگر تمہیں بھلی لگے	۲	۲۲۱
وَإِن تَعْجَبْ	اور اگر تم تَعجُّب کرو	۱۳	۵
تَعْجَبُوْنَ	تم تَعجُّب کرتے ہو	۵۳	۵۹
أَفَعَجِبْتُمْ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ؟	کیا تو تَعجُّب کرتی ہے	۱۱	۷۳
مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ	پسند آتی ہے تم کو اُس کی بات	۲	۲۰۴
فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ	سو تَعجُّب میں نہ ڈالیں اُن کے مال	۹-۹	۸۵-۵۵
فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ	تو عجب اُن کی بات	۱۳	۵
أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا	کیا لوگوں کو تَعجُّب ہوا	۱۰	۲
قُرْاٰنًا عَجَبًا	قرآن عَجیب	۷۲	۱

لَشَيْءٌ عَجِيبٌ	یہ تو عجیب بات ہے	۱۱	۷۲
لَشَيْءٌ عُجَابٌ	یہ بڑے تعجّب کی بات ہے	۳۸	۵
إِذَا أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	خوش لگی تم کواپنی کثرت	۹	۲۵

خُلاصہَ کلام یہ کہ جو بات یا کوئی اَمر دل کو لگے اور طَبیعَت خوش ہو جائے اُس کا آخری حِصّہ ہنسی پر پہونچے ورنہ کم از کم طَبیعَت غمگینی سے راحَت وفرحَت سے تبدیل ہو جائے اور کسی کو غمگینی سے راحَت وفَرحَت دِلانا بھی (جائز طریقہ سے ہوتو) عِبادَت ہے۔ حدیث شَریف میں ہے ایک بچے کی پالتو (پلی ہوئی) چڑیا مرگئی حُضور سرورِ عالم ﷺ نے اُسے فرمایا: يا أبا عُميرٍ ، ما فَعَلَ النُّغَيْرُ [1] اے ابو عُمیر تیری چِڑیا نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ اِس سے آپکی مرادیہ تھی کہ بچے کی غمگینی دُور ہو۔

مسئلہ: اِس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کُنیَت بچوں کے لئے بھی ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ضَروری نہیں کُنیَت بچوں کی وجہ سے ہو اور ضَروری یہ بھی نہیں کہ کُنیَت اَولاد کے اَسماء (ناموں) سے ہو۔ بلکہ معمولی سی نِسبَت سے اَحسن (بہتر) بلکہ اچھے اَسماء (ناموں) سے بھی کُنیَت جائز ہے۔

غَرائِب غَریب کی جمع ہے بمعنٰی وطن سے دور و غیر مانوس (المنجد ص ۸۷۱) ہمارا مقصود دوسرا معنٰی ہے یعنی عَجیب۔ اِس سے مَقصَد صِرف معلومات کا اِضافہ ہے اور بس (فقط)۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ العَلِيِّ العَظِيْمِ ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهِ الْكَرِيْمِ الرَّؤُوْفِ الرَّحِيْمِ ، وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ

مدینے کا بھکاری،

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ،

۱۴ نومبر ۱۹۹۵ء ۲ جمادی الآخر ۱۴۱۶ھ۔

[1]) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب ما جاء في الرجل يتكنّى وليس له ولد، 325/7، الحديث: 4969 ، دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430 هـ 2009 م)

بابِ اَوّل

جائز ہنسی مذاق سُنّت ھے: ہمارے آقا و مولیٰ حُضورﷺ کے مزاح شَریف کے جو واقِعات کُتُبِ اَحادِیث میں مذکور ہیں اُنہیں پڑھ کر ایک رُوحانی سُرور وکَیف (راحت و سُکون) حاصل ہوتا ہے۔ حُضور سرورِعالمﷺ کی ہر ادا مبارک نِرالی و بے مِثال ہے۔آپ کا مزاح شَریف بھی ایسا پاکیزہ اور صَداقت مآب (سچا) ہے کہ شِگُفْتَگی و مزاح (خوش مزاجی) کے ساتھ ساتھ حق و صَداقت بھی جلوہ گر ہے، چند ایک واقِعات مُبارکہ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حُضورﷺ کبھی کبھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اُن کے بچوں سے خوش طَبعی (مزاحی) فرمایا کرتے تھے چُنانچہ اپنے خُرد سال (کم سن) خادِموں کو **یَاذَا الْأُذُنَيْنِ** (اے دوکانوں والے) کہہ کر خِطاب فرمایا کرتے تھے، جس کا معنیٰ ہے دو کانوں والے۔[2]

(۲) ایک دن ایک عورت حُضورﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میرا خاوَند (شوہر) حُضورﷺ کو یاد کر رہا ہے، آپ نے فرمایا: تمہارا خاوَند (شوہر) وَہی ہے نا جس کی آنکھوں میں سَفیدی ہے؟ عورت بولی نہیں! اُس کی آنکھوں میں تو کوئی سَفیدی نہیں، حُضورﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جس کی آنکھوں میں سفیدی نہ ہو۔

(۳) ایک شخص نے حُضورﷺ سے عرض کی: یارسول اللہﷺ مجھے ایک اُونٹ عطا فرمائیے، حُضورﷺ نے فرمایا: اچھا تمہیں میں اُونٹ کا بچّہ دوں گا، اُس نے عرض کی یارسول اللہﷺ اُونٹ کے بچے کو میں کیا کروں گا، مجھے اُونٹ دیجئے، حُضورﷺ نے فرمایا: بھلا کوئی ایسا اُونٹ ہے جو اُونٹ کا بچّہ نہ ہو۔[3]

جنّت میں کھیتی باڑی: حُضورﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جُھرمُٹ (حلقے) میں تشَریف فرما تھے اور جنّت کے متعلق تذکرہ ہو رہا تھا۔ جسے سب بڑے شوق، توجہ اور مَسرّت (خوشی) سے سُن رہے تھے، اِتّفاق سے اُس وقت ایک گاؤں کے رہنے والے صحابی رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے، اُن کے کان اپنے آقا کی بات پر لگے ہوئے تھے اور بڑے اِنْہِماک (شَغَف) سے سننے میں مصروف تھے، اِسی دوران میں سردارِ اُمتﷺ نے ایک شخص کا قصّہ سُنایا: جو جنّت میں اپنے رب عزوجل سے اُس کی رَحمت پہ مچلتے ہوئے عَجیب و غَریب آرزُو کرے گا، یااللہ! مجھے اِس جنّت میں کھیتی باڑی کرنے کی اِجازت دی جائے، ارشاد باری ہوگا: میرے بندے، کیا تمہیں یہاں سب آرام اور سُکھ حاصل نہیں؟ پھر ایسی چھوٹی آرزُو کیوں کرتے ہو، وہ بندہ عرض کرے گا: مالک! اِس فَرحَت آنگیز (دِلکش) پُر سُکون اور وَجد آفرین (دِلنواز) جگہ میں مجھے کوئی تکلیف نہیں صِرف دِل کی خواہِش ہے، چونکہ دُنیا میں زمین داری کیا کرتا تھا اِس لئے پُرانی یاد تازَہ کرنے کی اُمنگ (تمنا) پیدا ہو گئی ہے۔

چُنانچہ اُس کے لیے زَمین داری کی تمام چیزیں مہیّا کر دی جائیں گی، پھر وہ اپنی خواہِش سے زمین تیار کرے گا، ہَل جوتے (کاشت کرے) گا اور اُس میں بیج ڈالے گا اور اُس کے دیکھتے ہی کھیتی اُگ آئے گی پھر اُسی لَمحہ سَرسَبز و شاداب بالیں لہلہانے لگیں گی[4] اور پھر اَچانک سب کھیتی خُود بخُود (Automatically) کٹ جا

---

[2] (سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب من يأخذ الشيء على المزاح، 351/7، الحديث: 5002 ، دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430 هـ 2009 م)

[3] (سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِزَاحِ، 357/4، الحديث: 1991 ، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي مصر ، الطبعة: الثانية، 1395 هـ 1975 م)

[4] یعنی ہری بھری فَصلیں جھومنے لگیں گی۔

ئے گی اور اَناج کے پَہاڑ کی طرح اُونچے اُونچے ڈھیر لگ جائیں گے۔اُس وَقت اللہ تعالیٰ اِرشاد فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! تیرا پیٹ کوئی چیز نہیں بھر سکتی، اب یہ لے، تیری خواہش پوری کر دی گئی ہے۔

بَدْوی (دیہاتی) صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غَور سے یہ واقعہ سُن رہے تھے کچھ کَسْمَسائے (مسکرائے) اور بھولا سامنہ بنا کر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! اِس قِسم کی تمنّا کرنے والا کوئی اَنصاری یا قُریشی ہو گا کیونکہ یہی اَصحاب زَراعَت پیشہ (کھیتی باڑی کرتے) ہیں ہم زمین داری کا کام نہیں کرتے، حُضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ لطیف اور بَرجَستہ (یک دم) جواب سُن کر مسکرا پڑے اور بہت خوش ہوئے۔[5]

اُونٹ اُونٹنی کا بچّہ: ایک بھولے اور سیّدھے شخص نے حُضور علیہ السلام سے اُونٹ کی درخواست کی، آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: اُس شخص کو اُونٹ کا بچّہ دے دیا جائے۔وہ شخص بولے یا رسول اللہ ﷺ میں بہت طویل اور دُور کا سفر کرنا چاہتا ہوں اُونٹ کا بچّہ لے کر کیا کروں گا، مجھے تو کوئی اُونٹ عنایت فرمایئے تاکہ سفر آسانی سے کٹ سکے۔آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا: اور کیا اُونٹ کو اُونٹنی کے علاوہ اور چیز جنّتی ہے، وہ بھی تو اُونٹنی کا بچّہ ہی ہوتا ہے، چاہے کتنا بڑا ہو جائے۔[6]

نَجْدی: حُضور نبی کریم ﷺ کے نَزدیک نَجْدی خطرناک ہے۔

قال یا محمد لو بعثت رجالا من اصحابک الیٰ اھل نجد فدعوتھم الی امرک رجوت ان یستجیبو الک

فقال رسول الله ﷺ إني أخشى أهل نجد عليهم۔[7] (تاریخ ابن ہشام و طبری وغیرہ)

نَجْد سے ایک شخص حاضر ہوا عَرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے چند اَشخاص نَجْدیوں کو بھیجیے تاکہ وہاں آپ کی دَعْوَت پہونچے اُمید ہے چند لوگ آپکے دین کو قبول کر لیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنے یاروں پر نَجْدیوں سے خَطرہ ہے۔

فائدہ: چُنانچہ ایسے ہی ہوا کہ جِتنا اِسلام اور اَہلِ اسلام کو نَجْدیوں سے نُقصان ہوا اتنا کسی دوسری اَقوام (قوموں) سے نہیں پہونچا۔

اِنْتِباہ: اِس میں تَعَجُّب خیز بات یہ ہے کہ نَجْدیوں کے ظاہری اَطوار (طور طریقے) سے لوگوں کو اعتبار نہیں ہوتا کہ کیا ایسے دین کے خیر خواہ لوگ بھی دین سے دھوکہ کر سکتے ہیں لیکن ہمارا اِیمان اور عقیدہ یوں پُختہ ہے کہ اُنکے حق میں اُس ذاتِ اقدس ﷺ کے مُنہ سے یہ کلمات نکلے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (3) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔

[5] (صحیح بخاری، کتاب المزارعة، باب کراء الأرض بالذهب والفضة، 108/3، الحدیث: 2348، دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، 1422ھ)

[6] (سنن الترمذي، أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِزَاحِ، 357/4، الحديث: 1991، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي مصر، الطبعة: الثانية، 1395ھ 1975م)

[7] (إتحاف القاري بدرر البخاري، المغازي، 73/4، الحدیث: 4088)

بُوڑھی کی کہانی: ایک بُوڑھی عورت سے حُضور ﷺ نے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں ہر گز جنّت میں نہ جائیں گی۔ وہ رونے لگی، تو حُضور ﷺ نے مسکرا کر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں بوڑھی عورتوں کو بھی جوان بنا کر جنّت میں بھیجا جائے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا[8]

یعنی ہم جنّت میں عورتوں کو جوان کر دیں گے۔

ماموں کی بہن: ایک دَفعہ حُضور ﷺ نے ایک شخص سے دَریافت فرمایا کہ بتلاؤ تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی؟ وہ شخص سر نیچے جھکا کر سوچنے لگا۔ حُضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا: تم اپنی ماں کو بھول گئے۔

دُکھتی آنکھ: حضرت صُعیب رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ دکھتی تھی اور آپ کھجوریں کھا رہے تھے۔ حُضور ﷺ نے دیکھا تو فرمایا: صُعیب! تمہاری آنکھ خراب ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو؟ حضرت صُعیب نے جواب دیا:[9] یا رسول اللہ ﷺ! جس طرف کی آنکھ دکھ رہی ہے، میں اُس طرف کی داڑھ سے نہیں کھا رہا بلکہ دُوسری طرف کی داڑھ سے کھا رہا ہوں۔ حُضور ﷺ یہ سُن کر ہنس پڑے۔ (فصلی اللّٰہ علیہ وٰالہ قدر حسنہ وجمالہ)

کعبہ کی چابی: حُضور انور ﷺ کو جب کفّارِ مکّہ تکلیف و اَذِیّت دیتے تھے تو اُس میں خانہ کعبہ کا کَلید بَردار (چابی کا کنڑول) عثمان شیبی بھی شامل تھا وہ داعی اِسلام (اسلام کی دعوت دینے والے کا) کا سخت دُشمن تھا، ایک دن حُضور پاک ﷺ خانۂ کعبہ میں گئے اور کہا کعبہ کا دروازہ کھولو، اُس نے صاف اِنکار کرتے ہوئے کہا ہر گز نہیں تو حُضور پاک ﷺ مسکرا کر بولے ایک دن کعبہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا، یہ سُن کر عثمان شیبی نے کہا کیا اُس دن عرب کے جوان مر چکے ہوں گے۔ بات ختم ہو گئی تو حضور پاک ﷺ مشرکینِ مکہ کی ایذا رسانیوں (تکلیفیں پہنچانے کی وجہ) سے مدینہ پاک کو ہجرت کر گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو فتحِ مکہ دی، آپ ﷺ مکہ میں تشریف لائے اور خانہ کعبہ کے کَلید بَردار (چابی کا کنڑول) کو طلب کیا وہ فوراً اندر گیا چابی لے کر حُضور انور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا آج حُسنِ سُلوک اور نیکی کا دن ہے، اِسی لئے اے شیبی میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ ایک دن کعبہ کی چابیاں میرے قبضہ میں ہوں گی اور میں جسے چاہوں گا عنایت کروں گا، لہٰذا مجھے اِنکار کرنے والے آ، میرے سینے سے لگ جا اور کعبہ کی چابیاں ہمیشہ تمہارے اور تمہاری اولاد کے قبضے میں رہیں گے اور جو تم سے یا تمہارے خاندان سے چابیاں چھینے گا وہ بہت بڑا ظالم ہو گا۔ وہ دن اور آج کے دن تک ملتِ اِسلامیہ میں بڑے بڑے ظالم اور جابر حکمران آئے مگر کعبہ کی چابی کا اِعزاز ابھی تک ہزاروں سال گزرنے کے باوُجود اُسی شیبی کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔ حضرت مولانا نور بخش تَوَکُّلی رحمہ اللہ نے لکھا کہ اِس خاندان شیبی سے نَجدیوں نے چابی چھین کر اپنے کسی متعلق (تعلق دار) کو دیدی ہے۔[10] (سیرت رسول عربی ﷺ)

[8] (الجامع الكبير (المعروف بسنن الترمذي)، كتاب الشمائل، 95/2، الحديث: 240، دار الصدّيق الجبيل السعودية، الطبعة: الأولى، 1433ھ 2012م)

[9] (السنن الكبرى، كِتَابُ الضَّحَايَا، بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاخْتِتَانِ، 578/9، الحديث: 19563، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة: الثالثة، 1424ھ 2003م)

[10] (سیرت رسول عربی ﷺ، فتح مکہ، 226/1، مکتبۃ المدینہ۔ اشاعت اول 2014م)

سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ: حُضور سرورِ دوعالم ﷺ نے بیان فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کے عہد میں دو عورتیں تھیں، دونوں کے دو بیٹے تھے، یہ عورتیں اپنے بیٹوں کے ساتھ کہیں جارہی تھیں کہ ایک بھیڑیئے نے بڑی عورت کے بچّے پر حملہ کیا اور اُسے لے گیا۔ بڑی نے چالاکی سے یہ کہہ دیا کہ بھیڑیا تمہارے بچّے کو لے گیا ہے، میرا یہ ہے جو محفوظ ہے۔ چھوٹی نے کہا: نہیں یہ میرا بیٹا ہے، بھیڑیا تمہارے بیٹے کو لے گیا ہے۔ تنازعہ بڑھنے پر دونوں حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئیں، داؤد علیہ السلام نے فیصلہ بڑی کے حق میں کیا اور وہ بچّہ بڑی کو دلا دیا۔ پھر یہ دونوں نکلیں تو سلیمان علیہ السلام سے مُلاقات ہوئی۔ آپ نے سارا قِصّہ سُن کر فرمایا: بچّہ ایک ہے اور مُدّعی دو ہیں، چُھری لاؤ میں بچّے کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک حصہ دونوں کو دے دیتا ہوں۔

یہ سُن کر چھوٹی بے چین ہو کر کہنے لگی۔ حُضور ایسا نہ کیجئے بچّہ بڑی کو دیدیجئے مگر بچے کے ٹکڑے نہ کیجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: بس مجھے بھی یہی دیکھنا تھا کہ شَفقتِ مادری کس عورت میں جوش کھاتی ہے، جاؤ بچّہ لے جاؤ، بچّہ تمہارا ہے اور یہ بڑی جھوٹی ہے یہ بچّہ اُس کا نہیں۔[11]

(صحیحین۔ حیٰوۃ الحیوان، ص۳۵ ج۱)

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص کے کھیت میں رات کے وقت دُوسرے لوگوں کی بکریاں آگھسیں کھیتی کا نُقصان ہوا، حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ بکریوں کی قیمت اُس مالیّت کے برابر ہے جس کا کھیت والے نے نُقصان اُٹھایا تھا، یہ فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے نزدیک کھیتی والا بکریاں اپنے پاس رکھے اور دودھ پئے اور بکریوں والے کھیت کی آبپاشی (کھیت کو پانی دیں) اور تَرَدُّد (دیکھ بال) کریں۔ جب کھیتی جیسی تھی ویسی ہو جائے تو بکریاں لوٹا دیں اور کھیتی لے لیں اُس میں دونوں کا نُقصان نہ ہوگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی یہ فیصلہ سُن کر تَحْسین فرمائی (تعریف کی) اور اپنے اِجْتِہاد سے رُجوع کیا۔ گویا اُصولِ فقہ کی اِصْطِلاح میں سلیمان علیہ السلام کے اِسْتِحْسان[12] کو اپنے قِیاس کے مُقابَلہ میں قبول فرمالیا۔ باپ بیٹے دونوں نے جو فیصلہ شُرکائے مقدّمہ (مدّعی و مدعاعلیہ) کے حق میں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تھا اور دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے فیصلہ کرنے کی قُوت اور سمجھ عنایَت کی تھی لیکن اصل کی بات اُس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھادی وہ اِس نتیجہ پر پہنچے جو اللہ کے نزدیک اَصْلَح (زیادہ صحیح) واَصْوَب (زیادہ درست) تھا، اور جسے آخرکار حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی قبول کیا۔ اِس واقعہ کو اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں بھی ذکر فرمایا ہے۔[13] (پارہ ۱۷ سورۃ الأنبیاء رکوع ۲)

یوسف علیہ السلام کیلئے تحفہ: حضرت یوسف علیہ السلام کا بچپن میں ایک دوست تھا۔ حضرت یوسف جب مصر میں آئے تو وہ آپ علیہ السلام کو ملنے کی خاطر کنعان (جگہ کا نام) سے مصر میں آیا۔ آپ علیہ السلام سے ملاقات کی، آپ علیہ السلام فرمانے لگے، اے دوست! زمانے کا دَستور ہے کہ جب

---

[11] (حياة الحيوان الكبرى، الذئب: فائدة، 502/1، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الثانية، 1424 ھ)

[12] فقہ حنفی میں، استحسان ایک اصولِ اجتہاد ہے جس کے تحت عمومی قیاس یا اصول کو چھوڑ کر کسی استثنائی یا خاص اصول کو اس لیے ترجیح دی جاتی ہے کہ وہ زیادہ آسان، مناسب اور لوگوں کی ضرورت کے مطابق ہو۔ یہ اصول عدل و مصلحت کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہے۔

[13] (تفسير البغوي، سورة الأنبياء تحت الآيات 77 الى 79، 298/3، دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبعة: الأولى، 1420 ھ)

دوست، دوست کے پاس جاتاہے تو کوئی تحفہ لاتاہے، بتاؤ تم میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو؟ وہ کہنے لگا: حضرت مجھے تو کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس کو آپ کے پاس تحفہ لے کر آؤں مگر ہاں! آپ کے نظر کے لئے آپ ہی کو لے کر آیاہوں۔ یہ کہہ کر آئینہ آپ کے سامنے رکھ دیا۔[14]

یوسف علیہ السلام کی رِعایاپروری: اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے بادشاہ تھے تو مصر میں زَبَردَست قحط پڑ گیا ہر طرف بُھوک اور اِفلاس (تنگدستی) نے ڈیرے لگا دیئے۔ تو حضرت یوسف نے شاہی خزانے کے مُنہ غریبوں پر کھول دیئے۔ مگر عجیب بات تھی کہ حضرت یوسف خود روز بَروز دُبلے پتلے ہوئے جارہے تھے۔ آپ کے وزیر نے پوچھا تو جواب دیا کہ مجھے اِس فکر نے دُبلا پتلا کر دیا ہے کہ کوئی آدمی بھوکا نہ رہ جائے اگر میں خود پیٹ بھر کر روٹی کھاؤں اور عام اِنسان بھوکا سو جائے تو قیامت میں سخت باز پُرس (گرفت) ہوگی۔

فائدہ: پیغمبری کے ساتھ شاہی (بادشاہی) میں رِعایاپَروری (خِدمت خلق) کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے سربراہ نَصیب فرمائے۔ (آمین)

اَعرابی (دیہاتی): ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت الحرام کا طواف کر رہے تھے۔ اِتنے میں اُنھوں نے سُنا ایک اَعرابی اپنے رب کو مخاطب کر کے کہہ رہاہے: "یااللہ! مجھے اپنے قلیل بندوں میں سے بنادے!"

یہ سُن کر حضرت مُتَعَجِّب ہوئے۔ فرمایا: اُس آدمی کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ سامنے آیا تو فرمایا: "اے اَعرابی! تیری ایسی نِرالی دعا میں نے آج تک نہیں سنی آخر اِس کا مطلب کیاہے؟" اَعرابی نے جواب دیا۔ آپ کو معلوم ہے یاأمیر المومنین! اب تو آپ کا تَعَجُّب اور بڑھا آپ نے فرمایا: "کس طرح معلوم ہے مجھے؟" اَعرابی نے کہا: "کیا آپ نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی ہے "وقليل من عبادى الشكور اور میرے بندوں میں بہت کم شکر گزار بندے ہیں۔ لہٰذا میں خدا سے دعا کرتاہوں کہ مجھے شکر گزار بندوں میں شامل کر دے اور چونکہ ایسے شکر گزار بندے کم ہیں لہٰذا اُن ہی کم یعنی قلیل بندوں میں سے ایک فرد مجھے بھی بنادے۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "سچ کہا تو نے، اب تو جاسکتاہے۔[15]

فاروقِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ کا رُعَب: کسریٰ نے أمیر المومنین حضرت فاروقِ اَعظم رضی اللہ عنہ کی خِدمَت میں اپنا ایک ایلچی بھیجا تاکہ وہ فاروقِ اَعظم رضی اللہ عنہ کی صورت وسیرت دیکھ آئے۔ وہ ایلچی (قاصد) جب مدینہ منوّرہ پہنچا تو مسلمانوں سے پوچھا۔ اين الملک۔ یعنی تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ مسلمانوں نے کہا۔ ہمارا بادشاہ نہیں۔ ہمارا أمیر ہے، اور ابھی ابھی دروازہ سے باہر تشَریف لے گیاہے۔ ایلچی باہر نکلا۔ تو حضرت فاروقِ اَعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ دھوپ میں سو رہے ہیں۔ دُرّہ (چابُک) سر کے نیچے رکھاہے اور پیشانی نورانی سے ایسا پسینہ بہاہے کہ زمین تر ہوگئی ہے۔ جب یہ حال دیکھا تو اُس کے دل میں بڑا اثر ہوا اور دل میں کہنے لگا۔ کہ تمام جہاں کے بادشاہ جس کی ہَیبت (شان وشوکت) سے لَرزَہ بَراَندام (کانپتے) ہیں تَعَجُّب ہے کہ وہ اِس سادگی سے زمین پر سورہاہے۔ پھر

---

14) (تفسير البغوي، سورة الأنبياء تحت الآيات 77الى 79، 298/3، دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبعة : الأولى ، 1420 هـ)

15) (المصنف ابن أبي شيبة، الجزء 7، 81/7، دار الفكر)

کہنے لگا،اے مسلمانوں کے اَمیر ! آپ نے عدل کیااِس وجہ سے بے کھٹکے (اطمینان سے) سوئے اور ہمارا بادشاہ ظلم کرتا ہے تو ہِراساں (ڈرتا) رہتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کادین سچا ہے۔[16]

فائِدہ: حضرت فاروقِ اَعظم رضی اللہ عنہ پیکرِ عدل واِنصاف تھے اور ساری دنیا پر آپ کا رُعَب ودَبدَبہ قائم تھااور آپ رضی اللہ عنہ تَکَلُّفات سے دُور اور سادگی پسند تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حاکم ظُلم وستم سے کام لیتے ہیں وہ کبھی سُکھ چین اور اِطمینان نہیں پاتے۔

سو سُرخ اُونٹ: اَمیر المؤمنین حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خِلافت میں ایک اَعرابی آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا ! کہ فُلاں غَزوَہ (جنگ) میں مجھ سے کچھ سُرخ اُونٹ حضرت محمد ﷺ نے اُدھار خرید فرمائے تھے۔ حیران ہوں کہ اب وہ رقم میں کس سے طلب کروں؟ حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جایئے دو گواہ اور تحریر لایئے ! تمہارا رُوپیہ ادا کر دیا جائے گا۔ اَعرابی سخت پریشان ہوا کہ اب وہ تحریر اور دو گواہ کہاں سے لائے کیونکہ اُس کے پاس کوئی ثُبوت نہیں تھا ! وہ اِسی پریشانی کے عالَم میں حضرت سیّدنا عمر ابن خطاب فاروقِ اَعظم رضی اللہ عنہ کی **خِدمَت** میں آیا۔ ماجرا سنایا اور ویسا ہی جواب پایا اِسی اَثناء (لمحے) میں ایک شخص نے کہا آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی **خِدمَت** میں جایئے، وہ تمہاری مشکل کشائی (دُور) فرمائیں گے۔ اَعرابی حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کی **خِدمَت** میں حاضر ہوا اور تمام داستان کہی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تھوڑی دَیر مراقَبہ (سوچ بچار) کیا اور سر اُٹھاتے ہی ارشاد فرمایا: ہاں مجھے یاد آرہا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم رؤف الرحیم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا تھا کہ اے علی (رضی اللہ عنہ) ! میرے وِصال کے بعد ایک اَعرابی آئے گا۔ اُس کے ایک سو (۱۰۰) سُرخ اُونٹ میرے ذمہ قَرض ہیں تم اُسے اِس طرح سے ادا کرنا کہ ریت کے فلاں ٹیلے کے پاس جا کر میری بتائی ہوئی یہ دعا پڑھنا۔ سُرخ بالوں والے سو (۱۰۰) اُونٹ وہاں سے بر آمد ہوں گے۔ وہ اُونٹ اَعرابی کو دے دینا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُسی وقت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں اِعلان کر دیں کہ کل ریت کے فلاں ٹیلے کے پاس جمع ہوں اور نبی کریم ﷺ کے اِعجازِ خاص (معجزہ) کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کریں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ شہر میں اِعلان کر دیا۔ رات گزری، صُبح طلوع ہوئی تو لوگوں کا ہُجوم اُس ٹیلے کے پاس جمع تھا۔ حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مَعَہٗ (ان کے ساتھ) صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اُس ٹیلے کے قبلہ رُو جا کھڑے ہوئے۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد نبی کریم ﷺ کی ارشاد فرمودہ دعا پڑھنے لگے لوگ مُتَحَیِّر (حیران) کھڑے تھے کہ یَکا یک (اچانک) اُس ریت کے ٹیلے میں جُنْبِش (حرکت) پیدا ہوئی اور وہ دیگ کی طرح تہہ وبالا (اوپر، نیچے) ہونے لگا۔ پھر چَشم زَدَن (لمحہ بھر) میں اُس ٹیلے سے ایک بے نکیل اُونٹ بر آمد ہوا اور وہ اِدھر اُدھر چلنے لگا۔ پھر شانِ خداوندی کا عَجیب و غریب ظُہور دیکھنے میں آیا وہ یہ کہ جہاں جہاں اُس اُونٹ کا قدم پڑتا گیا وہیں وہیں سے سُرخ بالوں والے اُونٹ نِکل پڑے اور وہ سب ایک جگہ کھڑے ہوتے گئے۔ جب بر آمد گی کا سِلسِلہ مُنْقَطِع (ختم) ہوا تو اُونٹوں کو شمار کیا گیا۔ وہ پورے ایک سو تھے۔ چُنانچہ سیّدِ عالم ﷺ کی وَصِیّت کے مطابق اُس اَعرابی کو دے دیئے گئے اَعرابی بے حد خوش ہوا اور جملہ (تمام) حاضرین اُس نعمتِ نادرہ (نایاب نعمت) کے ظاہر ہونے پر بطورِ شکرانہ حمد وثناء بجالاتے ہوئے سر بَسُجود ہو گئے۔[17] (سیر الا قطاب . ص۲۱ . ۲۲)

ازالۂ اوہام:

---

[16] (کیمیائے سعادت . مترجم (لسعید احمد نقشبندی) . اصل دہم . قاعدہ ہفتم . ص 398. مطبوعہ ملت پبلیکشنز اسلام آباد)

[17] (سیرت الاقطاب .(فارسی). ذکر مولا علی کرم اللہ وجھہ .8/1. مطبوعہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن)

سوال: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ریت سے سواُونٹ نکل آئے؟

جواب: یہ معجزۂ رسول اللہ ﷺ اور کرامتِ علی رضی اللہ عنہ ہے۔ معجزہ و کرامت کا منکر نہ مانے تو ہم بزورِ بازو کیسے منوائیں۔

سوال: یہ روایت کسی صحیح اور مُستَنَد کتاب میں نہیں؟

جواب: ہم نے کمالاتِ انبیاء اولیاء کو ماننا ہے۔ صالح علیہ السلام کی اُونٹنی پتھر سے نکل آئی وہ نصِ قطعی (قرآن) سے ثابت ہے اور یہ روایت اگرچہ مُستَنَد کُتُب سے نہ ہو تَب بھی بقاعدۂ علم الحدیث وہ روایت جو نصوصِ قرآنی اور اَحادیثِ مشہورہ کے مطابق ہو اُسے ماننا چاہیئے اگرچہ نصِ قطعی کا ماننا فرض ہے اور دیگر قسم کا ماننا فرض نہ سہی تو انکار بھی تو نہ ہو۔ یہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ کرامات کا انکار ہی انکار۔

سوال: اِس روایت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اَفضیلت ثابت ہوتی ہے؟

جواب: جب روایت ہی غیر معروف ہے تو اِس سے اِستدلال برائے عقیدہ (عقیدہ کے لئے دلیل اخذ کرنا) کیسا۔

جواب ۲: جُزوی فضیلت ہے۔ جُزوی فضیلت سے افضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے جیسے خضر علیہ السلام کی جُزوی فضیلت سے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔[18]

جواب ۳: اِس سے تو اُلٹا شَیخَین (سیّدنا صدیقِ اکبر، سیّدنا فاروقِ اَعظم) کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اِس لئے کہ نورِ فَراست (بصیرت) سے سیّدنا صدیقِ اکبر، سیّدنا فاروقِ اَعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذات سے ظُہورِ عمل میں آنا ہے۔ اِسی لیے شَیخَین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہوتا ہوا شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی **خدمتِ اقدس** میں حاضر ہوا اور آپ کی ذاتِ اَقدس سے برکاتِ اسلام کا عَجیب رنگ میں ظُہور ہوا اور اِس حکایت میں علمِ غیبِ رسول ﷺ کا واضح ثُبوت ہے۔

عَجیب وغریب مَسئلہ میراث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک اَمیر آدمی وِرثہ (ترکہ) میں سترہ گھوڑے چھوڑ کر مرا۔ اُس کے وارِثوں میں سے صِرف ایک لڑکا، ایک لڑکی اور ایک بیوہ تھی۔ رِواج کے مطابق لڑکے کا حصہ ۲/۱ لڑکی کا حصہ ۳/۱ اور بیوہ کا ۹/۱ تھا۔ اِس تناسُب (نسبت) سے گھوڑے تقسیم نہیں ہوتے تھے، ماسِوائے (علاوہ) اِس کے (کہ) چند گھوڑے فَروخت کئے جائیں۔ لڑکے اور اُس کی والدہ نے ایسا کرنے کی اِجازت نہ دی۔ ایسی صورت میں یہ تقسیم کوئی عدالت بھی نہ کر سکی۔ بالآخر یہ مقدّمہ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کے رُوبرُو پیش کیا گیا۔ آپ (کرم اللہ وجہہ) نے اُن سترہ گھوڑوں میں اپنا ایک گھوڑا داخل کر دیا اور اٹھارہ میں سے لڑکے کو ۲/۱ حِصّہ کے مطابق نو گھوڑے دے دیئے اور اُس کے بعد لڑکی کو حسبِ حصہ ۳/۱ چھ گھوڑے عطا کئے اور باقی تینوں میں سے ایک حصہ ۹/۱ کے مطابق دو گھوڑے اُس بیوہ کو دے دیئے اور آخری اپنا گھوڑا خود لے لیا۔ آپ کا یہ فیصلہ دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے۔[19]

---

[18]) (فتاوی محدث اعظم پاکستان ,140/1, مطبوعہ بزم رضا اکیڈمی فیصل آباد)

[19]) (خلفائے راشدین , باب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے , ص 295 , مکتبۃ المدینہ)

فائِدہ: اِس طرح کامسئلہ سیّدنا امام حنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی پیش ہوا تو آپ نے بھی یوں ہی بلا تردُّد (فوراً) اُسے حل فرمایا اِسی لئے ہم کہتے ہیں کہ امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کا علم اہلِ بیت کی میراث ہے۔ اِسی لئے فقہِ حَنَفی، حقیقی فقہ ہے اور فقہِ جَعْفری مَن گھڑت (خود ساختہ) ہے اِس کی تفصیل فقیر کے رِسالہ "چشمہ نور افزاء" میں ہے۔[20]

یہودی کے طنز کا جواب باصواب: حضرت امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے لکھا کہ

قَالَ رجل من الْيَهُود لعَلي بن أبي طَالب مَا دفنتم نَبِيكُم حَتَّى قَالَت الْأَنْصَار منا أَمِير ومنكم أَمِير فَقَالَ لَهُ عَليّ عَلَيْهِ السَّلَام أَنْتُم مَا جَفتْ أقدامكم من مَاء الْبَحْر حَتَّى قُلْتُمْ اجْعَل لنا إِلَهًا كَمَا لَهُم آلِهَة۔[21] (الاذکیا)

ترجمہ: ایک یہودی نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے طنزاً کہا کہ تم نے ابھی اپنے نبی علیہ السلام کو دفن ہی نہ کیا تو خلافت کے حرص (ہوس) میں پڑ گئے اور کہا تھا اَنصار نے کہ ایک اَمیر تم مہاجرین سے ہو اور ایک اَمیر ہم انصار سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برجَستہ (فوراً) جواب دیا کہ تم تو وہ ہو کہ ابھی تمہارے پاؤں دریا کے پانی سے خشک نہیں ہوئے تھے کہ بُتوں کو دیکھ کر کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہمیں بھی ایسا معبود چاہیئے جیسے اِن لوگوں کے معبود (بت) ہیں۔

فائِدہ: اگرچہ یہودی کیلئے کوئی اور جواب بھی بن سکتا تھا لیکن سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اِلزامی جواب سے یہودی کو ایسا ساکت (خاموش) فرمایا کہ پھر اُسے کچھ کہنے کی ہمّت نہ ہوئی۔

عَجیب جواب: حضرت سعید ابنِ مُسَیّب رضی اللہ عنہ کی آنکھ دُکھنے لگی۔ لوگ حال دریافت کرنے (پوچھنے) آئے تو دیکھا کہ آنکھ میں میل جمع ہے۔ عرض کی گئی کہ یہ میل صاف کرڈالئے۔ فرمایا: میں نے طبیب سے وعدہ کیا ہے کہ آنکھ کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ ڈرتا ہوں کہ اگر اُسے صاف کرنے کو ہاتھ لگایا تو کہیں جھوٹوں میں نہ لکھ لیا جاؤں۔[22] (کیمیائے سعادت، ص۳۱۷)

درسِ عبرت: اللہ والے بڑے ہی سچّے اور پاکباز ہوتے ہیں اور جس بات میں جھوٹ کا اِحتمال بھی ہو اُس کے قریب نہیں جاتے۔ ایک وہ بھی تھے اور ایک ہم بھی ہیں کہ بات بات میں جھوٹ بولتے ہیں۔ کھڑے ہیں اور جو کوئی کہے کہ بیٹھ جایئے تو جواب دیتے ہیں: بیٹھا ہی ہوا ہوں۔ کہیں جارہے ہیں اور جو کوئی پوچھے: کہاں جارہے ہو؟ تو جواب دیتے ہیں، کہیں بھی نہیں جارہا کچھ نہ کچھ کررہے ہیں اور جو کوئی پوچھے کیا کررہے ہو؟ تو جواب دیتے ہیں کچھ بھی نہیں کررہا۔

---

[20] (جواهر البیان فی مناقب النعمان فصل 23، 111/1، مطبوعه مکتبة الحقیقة استنبول)

[21] (الاذکیاء، الباب العشرون من فلج علی خصمه، 135/1، مطبوعه مکتبة الغزالی)

[22] ((کیمیائے سعادت، مترجم باب مهلکات، اصل سوم، آفت زبان، 468/1، مطبوعه ملت پبلیکشنز اسلام آباد))

سلامتی کب: حضرت حاتم اصم رحمۃاللہ علیہ نے ایک شخص سے پوچھا کیسے ہو؟اُس نے جواب دیا: سلامت ہوں اور عافیّت سے ہوں۔ حاتم اصم رحمۃاللہ علیہ فرمانے لگے: بھائی! پل صراط پر سے گزر جانے کے بعد تم سلامت ہوگے اور جنّت میں داخل ہو چکنے کے بعد عافیّت سے ہوگے، پس تم اپنی سلامتی وعافیّت کی فکر میں رہو۔[23] (کیمیائے سعادت ص۲۱۶)

درسِ عبرت: اصل سلامتی وعافیّت آخرت کی سلامتی وعافیّت ہے۔ دُنیوی سلامتی وعافیّت کی کوئی حقیقت نہیں اور جو اللہ کے سچّے بندے ہیں قیامت کے روز کی سلامتی وعافیّت کی فکر میں رہتے ہیں۔

جُودوسَخا کی مثال: امام لیث کے پاس ایک عورت تھوڑا سا شہد مانگنے آئی آپ چونکہ شہد کا کاروبار کرتے تھے۔ اِس لئے آپ نے اپنے خادم سے کہا اِس عورت کو سَوا من (۶۰ کلو) شہد دے دو۔ جب عورت سوا من (۶۰ کلو) شہد لے کر چلی گئی تو خادم بولا اِس عورت نے آپ سے تھوڑا سا شہد مانگا تھا مگر آپ نے سوا من (۶۰ کلو) دے دیا۔ امام لیث نے جواب دیا عورت نے اپنی حیثیت کے مطابق مانگا میں نے اپنی حیثیت کے مطابق دے دیا۔[24]

فائِدہ: کیا ہی کمال ہے کہ سائِل کے سوال سے بڑھ کر عطا فرمادیا۔ ایک ہم ہیں کہ سائل کا سوال پورا کرنے کے بجائے اُسے جِھڑکتے ہیں۔

غوثِ اَعظم رضی اللہ عنہ کا نرالا فتویٰ: کسی نے قَسم کھائی کہ وہ ایسی عبادت کریگا جو عالمِ دنیا میں صِرف اُسی کو نَصیب ہو اُس کے ساتھ دوسرا کوئی شریک نہ ہوگا ورنہ اُس کی عورت کو طلاق۔ حُضور غوثِ اَعظم رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُس شخص کے لئے کعبہ معظمہ خالی کرادیا جائے وہ اکیلا ہی طواف کرے اِس طرح سے اُس کی عورت کو طلاق واقع نہ ہوگی۔[25] (تاریخ بغداد ص ۱۰۷)

فائِدہ: حُضور غوثِ اَعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ صِرف ایک نمونہ پیش کیا (یعنی مثال پیش کی) ہے۔ ورنہ آپ باطن میں یکتائے (تنہا) روزگار تھے تو ظاہری عُلوم کے شَہباز بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی مبارک پر نظر دوڑایئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا آپ نے درس وتدریس میں زندگی بسر فرمائی۔ ہزاروں شاگرد پیدا فرمائے اور وہ شاگرد جو بعد کو اَئِمۂ زمان اور مقتدائے جہاں بنے۔

۵۲۸ ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کے مدرسہ نظامیہ کی وسیع عمارت تیار ہوگئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بڑی جِد وجہد سے درس وتدریس، اِفتاء و وَعَظ (نصیحت) کے کام کو شروع فرمایا۔ دُور دراز سے لوگ حاضر ہوتے عُلَماء وصُلَحاء (نیکوکاروں) کی ایک عظیم جماعت تیار ہوگئی اور آپ سے علم وعِرفان حاصل کر کے اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے گئے اور تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ تمام عراق میں آپ رضی اللہ عنہ کے مریدین پھیل گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اَوصاف وخَصائلِ حمیدہ سے لوگوں نے مختلف قِسم کے اَلقابات سے آپ کو مُلَقّب کیا۔[26]

---

[23] ((کیمیائے سعادت مترجم، گوشہ نشینی کے فوائد، 468/1، مطبوعہ ملت پبلیکشنز اسلام آباد))

[24] (المرحمة الغيثية بالترجمة الليثية، الباب الثالث، 19/1، مخطوط نُشر في برنامج جوامع الكلم، الطبعة: الأولى، 2004)

[25] (ذيل طبقات الحنابلة، اسماعيل بن ابي طاهر بن زبير جيلي، 196/2، مطبوعه مكتبة العبيكان رياض، الطبعة: الأولى، 1425 هـ 2005 م)

[26] (قلائد الجواہر مترجّم، 28/1، شبیر برادرز، سن اشاعت: 2006)

بہت سے عُلَماء اور فُضَلا شرفِ تَلَمُّذ (شاگردی) سے مشرّف ہوئے اور ایک خَلقِ (مخلوق) کثیر آپ کے علم و عرفان سے فیض یاب ہوئی۔ جن کی تعداد بے حد اور بے شمار ہے۔ آپ کے تلامِذہ کی فہرِست اور علمی خدمات کے لئے فقیر کے رِسالہ "غوث اَعظم کے عملی خدمات" کا مطالعہ کیجئے۔

حضرت جنید بغدادی رضی اللّٰہ عنہ: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت جنید رضی اللہ عنہ مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور بولا "یا حضرت آپ کا وَعظ (نصیحت) شہر کے لیے ہے یا جنگل کے لیے بھی"، آپ نے پوچھا بات کیا ہے؟ تو وہ آدمی بولا چند آدمی فُلاں جنگل میں شراب پی رہے ہیں۔ آپ اُسی وقت اُٹھے اور جنگل کی راہ لی۔ جب آپ وہاں پہنچے تو لوگ بھاگنے لگے۔ حضرت جنید رضی اللہ عنہ بولے "ٹھہرو میں بھی تمہارا ساتھی ہوں چونکہ شہر میں تو پی نہیں سکتا۔ لہٰذا یہیں چلا آیا۔ تب لوگ بولے "افسوس آپ اُس وقت آئے جب شراب بالکل ختم ہو چکی ہے اور بولے کہ شہر سے منگوادیں۔ تب حضرت جنید رضی اللہ عنہ بولے "کیا تم کوئی ایسا طریقہ جانتے ہو کہ شراب خود بخود آئے "ایک بولا نہیں پھر حضرت جنید رضی اللہ عنہ بولے آؤ ہم تمہیں ایسی بات بتا تے ہیں جس سے شراب کا مزہ آجائے۔ سب لوگ بولے "یہ کمال ضرور ضرور دکھایئے "آپ نے فرمایا پہلے نہاؤ کپڑے بدلو اور میرے پاس آؤ۔ سب نے غسل کیا۔ پاک وصاف ہو کر آپ کے پاس چلے آئے۔ تب آپ رضی اللہ عنہ بولے دو رکعت نماز پڑھیں۔ جب سب نماز میں مشغول ہوئے تو حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اے خدا میرا تو اتنا اختیار تھا کہ انہیں تیرے حُضور (دربار) میں لا کھڑا کروں۔ اب تجھے اختیار ہے کہ خواہ انہیں گمراہ کر یا ہدایت بخش"۔ مالکِ دوجہاں کی بارگاہ میں آپ کی دعا منظور ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے سب کو ہدایتِ کامل سے مالا مال کر دیا۔

اِمام الائِمّہ سیّدنا امام ابو حنیفہ رضی اللّٰہ عنہ: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ہر شعبہ میں عَجائِب و غَرائِب ہے بالخصوص آپ کے فتاویٰ اور حاضر جوابی تو سراسر ہی عَجائِب و غَرائِب ہیں۔ آپ کی زندگی اَقدس کے تقویٰ وطہارت کا ہر ہر واقعہ عَجیب و غریب ہے مثلاً حضرت امام اَعظم رحمۃاللہ علیہ کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ ایک دفعہ آپ نے کپڑا فروخت کرنے کے لئے ایک شخص کو وکیل کیا۔ اُن کپڑوں میں ایک کپڑا عیب دار بھی تھا، حضرت امام صاحب نے وکیل سے کہہ دیا کہ اِس کپڑے کو فَروخت نہ کرنا جب تک اِس کا عیب بیان نہ کر لینا۔ اِتّفاق سے وکیل نے فَراموشی (بھولے) سے وہ کپڑا عیب بیان کئے بغیر فَروخت کر دیا اور سب کپڑوں کی قیمت میں اُس کی قیمت بھی ملا دی۔ حضرت امام صاحب کو جب اِس بات کا پتہ چلا تو آپ نے اُن تمام کپڑوں کی قیمت غُرباؤ (غریبوں)، مساکین پر صدقہ کر دی۔[27] (غَرائِب البیان ۲۹)

کرامات: اِسی تقویٰ کی برکت تھی کہ آپ کا وُجود سراپا کرامات تھا بلکہ آج تک آپکے مزار مبارک پر حاضری سے ہزاروں مشکلیں حل ہوتی ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں:

إني لأتبرك بأبي حنيفة وأجيء إلى قبره، فإذا عرضت لي حاجة صليت ركعتين وسألت الله تعالى عند قبره فتقضى سريعاً۔ (غَرائِب البیان بحوالہ رد المحتار ص ۴۷)

---

[27] (الخیرات الحسان فی مناقب النعمان (مترجم)، الفصل الثامن العشر فی زھدہ و ورعہ، 1/140، مطبوعہ الحقائق پبلی کیشنز)

یعنی: میں امام ابو حنیفہ رحمۃاللہ علیہ سے برکت حاصل کرتاہوں اوراُن کی قبر کے پاس آتاہوں اور جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ تو دو رکعت نماز پڑھ کراُن کی قبر کے نزدیک اللہ تعالٰی سے دعا کرتاہوں تومیری حاجت جلدی پوری ہو جاتی ہے۔[28]

معلوم ہوا کہ ہمارے امامِ اَعظم رحمۃاللہ علیہ اِتنے بڑے اللہ کے مقبول(بندے)ہیں کہ بعداز وِصال شَریف(وفات کے بعد)اُن کی قبر پر امام شافعی علیہ الرحمۃ جیسے جلیل القدر امام حاضر ہو کراللہ سے اپنے دل کی مرادیں پاتے رہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ دِلی مراد اور قَضائے حاجات(مشکل کشائی) کے لئے اللہ تعالی سے دعا مانگنے کے لئے کسی اللہ کے مقبول(بندے) کی قبر پر حاضر ہونا بڑے بڑے اماموں کادَستور(طریق کار)رہاہے۔

ایے لقائیے توھر سوال را جواب: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ہر بات دَرْ جَنوں سوالات کا جواب ثابت ہوتی۔ فقیر نےاِس موضوع پر ایک رِسالہ لکھاہے۔"امام ابو حنیفہ کی حاضر جوابی" یہاں آپ کے متعلق چند واقِعات حاضر ہیں۔

وہا بیوں **کے ایک سوال کا جواب:** ایک دفعہ چندلوگ مسئلۂ قرأت خَلفَ الامام(امام کے پیچھے تلاوت کرنے کے مسئلے)پر مُناظرہ کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کی خِدمَت میں حاضر ہوئے توحضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایاکہ وہ اپنے میں سے کسی کو مُناظِر مقرَّر کرلیں،اِس طرح مُناظرہ کرنے میں آسانی رہے گی چُنانچہ اُنہوں نے باہمی مشورہ سے اپنے ایک آدمی کانام بطور مُناظِر پیش کیاتو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایاکہ کیا تمہیں اِتّفاق ہے کہ اِس کی بحث تمہاری بحث ہوگی۔اِس لئے کہ تم نےاِسے اپنانمائندہ مُنْتَخَب کر لیاہے۔وہ کہنے لگے ہمیں اِتّفاق ہے۔ حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگریہی بات ہے تو پھر مسئلہ طے ہو گیاکیونکہ ہم نماز میں جس شخص کو اپناامام مُنْتَخَب کرتے ہیں اُس کی قرأت بھی ہماری قرأت ہوتی ہے۔آپ کےاِس زبردست اِستدلال پر وہ سب کے سب لاجواب ہوگئے۔[29]

امام ابو حنیفہ کی حاضر جوابی شیعہ لاجواب: ایک شخص اَمیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بُغض رکھتا تھااور(معاذاللہ)آپ کے ایمان میں شک کرتا تھا۔ حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کواِس بات کا علم ہواتوآپ رضی اللہ عنہ نے اُسے بُلایااور اُسے فرمایاکہ میں نے تیری لڑکی کے لئے ایک اعلٰی رشتہ تلاش کیاہے۔ لڑکے میں ہر قسم کی خوبی موجود ہے لیکن وہ ہے یہودی۔اُس شخص نے جواب دیاکہ بڑے اَفسوس کی بات ہے کہ آپ اِتنے بڑے امام ہو کرایک مسلمان لڑکی کا نکاح یہودی سے جائز قرار دیتے ہیں۔ میں توہر گزاِس کو جائز نہیں سمجھتا۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرے ناجائز سمجھنے سے کیاہے جبکہ خود سرورِ دوعالم ﷺ نے(تیرے بقول)اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح ایک ایسے ہی شخص سے کر دیا تھا۔وہ فوراً سمجھ گیاکہ آپ رضی اللہ عنہ کس بات کی ہدایت فرمارہے ہیں چُنانچہ اُس نے حضرت عثمان اَمیر المومنین رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنے خیالِ باطل سے توبہ کی اور

حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کے علم وفَراسَت کی برکتوں سے مالامال ہوگیا۔[30]

---

28) (ردالمحتار، مقدمه، صفحه 55/1، مطبوعه دار الفكر بيروت، الطبعة: الثانية، 1412ھ 1992م)

29) (مناقب امام اعظم، (لموفق بن احمد مکی (مترجم)، قرائت خلف الامام کا مکالمه، 139/1، مطبوعه مکتبه نوریه لاهور)

30) (مناقب امام اعظم، (مترجم)، باب کوفه کے رافضی کو نصیحت، 172/1، مطبوعه مکتبه نوریه لاهور)

دَہْریہ(مُلْحِد) لاجواب: حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کا بچپن کا زمانہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے شہر میں ایک دَہریہ آیا، جو خدا کی ہستی کا منکر تھا۔ اُس نے ایک میدان میں بلند اِسٹیج بچھایا اور مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ کسی میں ہمّت ہو تو اُس کے سوالات کا جواب دیں۔ ہر کسی نے دہریے کے سوالات کو فُضول و لچر (لغو) جان کر اُس کے سامنے آنا مُناسب نہ سمجھا۔ دَہریہ اِس بات پر اور بھی تیز ہو گیا اور کہنے لگا میرے سوالات ہیں ہی لاجواب۔ میدان لوگوں سے بھرا پڑا تھا اور دَہریہ اِسٹیج پر یہی ڈِینگیں (شیخی) مار رہا تھا کہ مَجْمَع نے دیکھا حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ اُس میدان میں تشریف لائے اور اُس دَہریہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے منکرِ خدا! مجھ سے پوچھ کیا پوچھتا ہے۔

دَھْرِیَہ: اے بچے! میرے سامنے تو تمہارے بڑے بھی نہیں آسکے تم میری باتوں کا کیا جواب دو گے۔

امامِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ: تم اِس بات کو چھوڑو تمہارے اُن سوالات کا جواب تو ایک بچّہ بھی دے سکتا ہے بڑوں کے تشریف لانے کی کیا حاجَت ہے۔

دَھْرِیَہ: اچھا تو میرا پہلا سوال یہ ہے کہ خدا اگر ہے تو وہ اِس وقت کیا کر رہا ہے؟

امامِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ: دیکھو تم سائِل (سوال کرنے والے) ہو اور میں مجیب (جواب دینے والا) اور اُصول یہ ہے کہ پُوچھنے والا نیچے ہو اور بتانے والا اُوپر لٰہذا تم اِسٹیج سے نیچے اُترو اور مجھے اِسٹیج پر چڑھنے دو پھر میں جواب دوں گا۔

آپ کے اِس ارشاد کی حاضرین نے بھی تائید کی۔ پھر وہ ناچار (ناچاہتے ہوئے) نیچے اُترا اور امام اِسٹیج پر رونَق اَفروز ہوئے اور فرمایا: ہاں اَب کہو تمہارا پہلا سوال کیا تھا۔

دَھْرِیَہ: خدا اگر ہے تو اِس وقت کیا کر رہا ہے؟

امامِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ: اِس وقت تو اُس نے یہ کام کیا ہے کہ تجھے اِسٹیج سے نیچے اُتار کر مجھ کم عُمر کو یہ بلندی عطا کی ہے۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ ہر طرف سے واہ واہ کا غُلْغُلَہ (شور) بلند ہوا اور دَہریہ مَبْہوت (حیران) ہو کر رہ گیا۔

پھر آپ نے فرمایا: بتا تیرا دوسرا سوال کون سا ہے؟

دَھْرِیَہ: خدا سے پہلے کیا تھا؟

امامِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ: ایک سے لے کر پانچ تک گنتی کرو۔

دَھْرِیَہ: ایک، دو، تین چار، پانچ۔

امامِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ: ایک بار پھر گنو۔

دَھْرِیَہ: ایک، دو، تین چار، پانچ۔

امامِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ: اب ایک سے پہلے جو عَدَد ہے اُس سے گنتی شروع کرو۔

دَھْرِیَہ: مگر ایک سے پہلے تو کوئی عدد نہیں۔

امامِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ: نادان! جب ایک سے پہلے کوئی عدد نہیں تو اُس وحدہٗ لاشریک سے پہلے کون ہو گا؟ اِس سے پہلے بھی کچھ نہیں۔

دَھْرِیَہ: خدا کا منہ کس طرف ہے؟

امامِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ: جب چَراغ روشن ہو تو اُس کا منہ کس طرف ہوتا ہے۔

دَھْرِیَہ: نور کے مُنہ کی جہَت (سمت) مُتَعَیَّن نہیں ہو سکتی۔

امامِ اَعظم رضی اللّٰہ عنہ: جب اِس مجازی نور کی جہَت (سمت) مُتَعَیَّن نہیں تو جو ذات جِسم و جِسمانِیات سے پاک ہے، اُس نورِ حقیقی کی جہَت (سمت) کیسے مُتَعَیَّن ہو سکتی ہے؟

حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کے اِن جوابات سے دَہرِیے کا مُنہ بند ہوا۔ ہر طرف سے ما شاء اللہ، مرحبا، احسنت کا شور بلند ہوا، اور ہمارے امام اُس مُناظِرہ سے کامیاب ہو کر واپس تشرِیف لائے اور دَہرِیے کو وہاں سے راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔[31]

پُر حِکمَت فتاویٰ امام ابو حنیفہ رضی اللّٰہ عنہ اور لَطیفے: ایک شخص نے اپنے دو بیٹوں کا نکاح دوسرے شخص کی دو بیٹیوں سے کیا اور دوسرے دن ولیمہ پر عُلَمائے کرام کو بھی مدعو کیا۔ حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ بھی تشَریف لے گئے۔ اُن بیٹوں کا باپ بڑی پریشانی کے عالَم میں مکان سے باہر نکلا اور عرض کرنے لگا کہ ہم لوگ بڑی مُصیبت میں پھنس گئے، رات غلطی سے دُلہنیں بدل گئیں۔ بڑے کی دُلہن چھوٹے کے کمرے میں اور چھوٹے کی دُلہن بڑے کے کمرے میں غلطی سے چلی گئی، صبح ہوئی تو اُس غلطی کا پتہ چلا، فرمایئے! اب کیا ہو؟ حضرت سُفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: کوئی مضائقہ (حرج) نہیں، یہ وَطی بالشبہ (غلط فہمی کی بناپر جِماع کرنا) ہے، آج دونوں بہنیں اپنے اپنے شوہروں کے پاس چلی جائیں۔ حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ خاموش تھے۔ مسعر نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا۔ آپ بھی فرمایئے۔ سُفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اِس کے سوا اور کیا کہیں گے؟ حضرت امام صاحب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس دونوں لڑکوں کو لاؤ۔

---

[31] (عقود الجمان لمناقب النعمان، فصل سادس عشر فی ذکائہ وفطنہ۔۔ صفحہ 268، جامعۃ ام القری، مکۃ المکرۃ)

چُنانچہ دونوں لڑکے لائے گئے، آپ نے ہر ایک سے پوچھا کہ رات تم جس عورت کے پاس رہے ہو، تم کو پسند ہے؟ دونوں نے کہاہاں۔ آپ نے فرمایا: تم دونوں اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دے دواور جس کے پاس جو عورت سوئی ہے وہ اُسی کے ساتھ شادی کرلے چُنانچہ اُسی جگہ اُن دونوں نے اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور چونکہ اپنی بیوی سے کسی نے بھی صحبت (جماع) نہ کی تھی اِس لئے عدّت تواُن پر واجب ہی نہ تھی، اِس لئے وَہیں اُن کا نکاح بھی ہو گیا۔[32]

فائِدہ: یہ حقیقت ہے کہ جہاں بڑے بڑے محدّث حیران رہ جاتے تھے وہاں ہمارے امامِ اَعظم علیہ الرحمۃ کا علم وفضل اور آپ کی خداداد فقاہت کام آتی تھی اور آج بھی یہ حقیقت ہے کہ بڑے بڑے مشکل مرحلوں پر فقۂ حَنَفی ہی کام دیتی ہے۔ لوگ ہزار اعتراض کریں تقلید و فقہ پر مگر جب مشکل پڑتی ہے تو بغیر اِس کے چارہ بھی نہیں۔ مولوی کے پاس اِس قسم کے شَواہِد (حقائق) موجود ہیں کہ خود مُعْتَرِضینِ فقہ (فقہ پر اعتراض کرنے والوں) نے بھی مشکل کے وقت میں جواب دیئے تو اِسی فقہ (حنفی) سے۔

مُخالِف دَنگ شُد (مبھوت ھوگیا): حضرت امامِ اَعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں سے واپسی پر آپ نے ابنِ ابی لیلیٰ کو دیکھا جو خچّر پر سوار عدالت کی طرف جارہے تھے۔ ابنِ ابی لیلیٰ کو ایک مقدّمہ میں حضرت امامِ اَعظم رحمۃ اللہ علیہ کی گواہی دَرْکار تھی، اِس لئے اُنہوں نے امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیا، راستے میں چند عورتیں گارہی تھیں، اُن عورتوں نے جب حضرات امامِ اَعظم اور ابن ابی لیلیٰ کو دیکھا تو خاموش ہو گئیں، امامِ اَعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اَحْسَنْتُنَّ۔ یعنی اچھا کیا تم نے۔ عدالت میں امامِ اَعظم علیہ الرحمۃ نے جب گواہی دی تو ابنِ ابی لیلیٰ نے اُن کی گواہی ساقط کردی اور کہا: یاد کیجئے آپ نے گانے والی عورتوں کو کہا تھا اَحْسَنْتُنَّ۔ حضرت امام صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا: آپ بھی یاد کیجئے کہ میں نے یہ کلمہ کس وقت کہا تھا، گانے کے وقت یا سُکوت (خاموشی) کے وقت؟ ابن ابی لیلیٰ نے جواب دیا: سُکوت (خاموشی) کے وقت؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں نے اُنہیں اَحْسَنْتُنَّ اُسی سُکوت (خاموشی) پر کہا تھا کہ تم نے گانا چھوڑ کے جو سُکوت (خاموشی) اختیار کرلیا ہے بہت اچھا ہے ابن ابی لیلیٰ نے یہ بات سُنی تو آپ علیہ الرحمۃ کی گواہی قبول کرلی۔[33] (غَرائِبُ البیان، ص ۳۴)

اَنوکھے سوالات کے جوابات: ایک شخص نے ہمارے امام، حضرت امامِ اَعظم علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ فرمایئے، اُس شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو یوں کہتا ہے کہ میں جنّت کی خواہش نہیں رکھتا اور دوزخ سے نہیں ڈرتا اور مرِدہ کھاتاہوں اور بغیر قرأت کے بغیر رکوع وسجدہ کے نماز پڑھتاہوں اور اُس چیز کی گواہی دیتاہوں جسے میں نے نہیں دیکھا اور حق سے نفرت رکھتا اور فتنہ سے رَغْبَت رکھتاہوں۔

حضرت امام صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے شاگردوں سے مُسکرا کر دریافت فرمایا کہ تم بتاؤ ایسا شخص کیسا ہو گا؟ سب نے کہا کہ ایسا شخص تو بہت ہی برا شخص ہے۔ امام صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ شخص تو بڑا ہی اچھا شخص ہے، جو جنّت کی خواہش نہیں رکھتا بلکہ خالقِ جنّت اللہ تعالیٰ کی محبت رکھتا ہے اور دوزخ سے نہیں ڈرتا بلکہ خالقِ دوزخ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور مرِدہ کھاتا ہے یعنی مچھلی یاٹِڈّی کھاتا ہے اور قرأت ورُکوع وسجدے کے بغیر نماز پڑھتا ہے، یعنی

---

32) (مناقب امام اعظم، (مترجم)، بیویاں تبدیل ہو گئیں، 1/186، مطبوعہ مکتبہ نوریہ لاھور)

33) (الاشباہ والنظائر، الفن السابع فی الحکایات و المراسلات 1/366، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نمازِ جنازہ پڑھتا ہے۔ بغیر دیکھے گواہی دیتا ہے اور کہتا ہے۔ اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ اور حق سے نفرت رکھتا ہے یعنی موت سے نفرت رکھتا ہے جو حق ہے اور فتنہ سے رَغبَت رکھتا ہے یعنی مال واولاد سے رغبت رکھتا ہے جو دونوں ہی فتنہ ہیں۔

سائل نے یہ جواب سنے: فقبل راسہ وقال اشھد انک للعلم وعاء۔[34]

ترجمہ: توآپ کے سر کو بَوسہ دے کر کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ علم وفضل کے مَخْزَن (خزانہ) ہیں۔ (غرائِب البیان، ص۳۲)

امام ابو حنیفہ اور قتادہ: قتادہ بہت بڑے مُحَدِّث اور مَشہور تابعی گُذرے ہیں بِلا کا حافِظہ پایا تھا۔ اَحْفَظُ النّاس (لوگوں میں سب بڑا حافظ) کے لقب سے لوگوں میں مشہور ہو گئے تھے۔ کوفہ میں آئے تو اِعلان کیا کہ جسے کوئی مسئلہ پوچھنا ہو بِلاتَکَلُّف میرے سامنے آکر پوچھے، میں ہر مسئلہ کا جواب دوں گا، بڑا مَجْمَع ہو گیا، لوگ آتے اور مسایِل دَریافت کر کے (پوچھتے) چلے جاتے۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ بھی پہنچ گئے اور مَجْمَع میں کھڑے ہو کر حضرت قتادہ سے پوچھا کہ ایک شخص سفر میں گیا تھا، دو برس کے بعد اُس کے مرنے کی خبر آئی اِس پر اُس کی بیوی نے دوسری شادی کر لی اور اُس سے اولاد بھی ہوئی۔ چند روز کے بعد وہ پہلا شخص واپس آ گیا اُسے انکار ہے کہ عورت کی جو اولاد ہے وہ میری اولاد نہیں ہے بَخِلافِ اَزیں (اس کے بر خلاف) دوسرا شخص صاف طور پر کہہ رہا ہے کہ اولاد میری ہے۔ اب فرمائیے کہ دونوں کا عائد کردہ (لگایا گیا) اِلزام صحیح ہے یا صِرف اُس کا جو اولاد کے اپنی ہونے سے اِنکار کر رہا ہے۔ قتادہ نے آپ سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے؟ فرمایا نہیں واقعہ تو نہیں ہوا مگر عُلَمَاء کو تو اِس قسم کے جوابات کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔

فائِدہ: رہتی دنیا تک حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اِس قسم کے فیصلے فرما گئے ہیں جس سے آج اور تا قیامت اہلِ اسلام امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی فَقاہت سے مُسْتَفِیض (فیض یاب) ہو رہے ہیں۔[35]

ضَحّاک لاجواب ہو گیا: ضَحّاک نے ایک دفعہ کوفہ میں داخل ہو کر قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ آپ نے جو سُنا اٹھے اور جلدی سے ضَحّاک کے پاس پہنچ کر کہا کہ آخر کوفہ والوں کو کس ظُلم میں یہ سزا دی جا رہی ہے؟ بولا یہ سب کے سب مرتَد ہو گئے ہیں۔ فرمایا: کیا پہلے اِن کا کوئی اور مذہب تھا جسے اُنہوں نے ترک کر (چھوڑ) دیا ہے یا پہلے ہی سے یہی مذہب رکھتے ہیں۔ ضَحّاک یہ سُن کر بولا یہ آپ علیہ الرحمۃ نے کیا فرمایا؟ پھر تو کہئے۔ آپ علیہ الرحمۃ نے ذرا تفصیل سے بیان کیا تو بولا واقعی میری غلطی تھی اور اُسی وقت تلواریں نَیام میں کرنے کا حکم صادِر (جاری) کر دیا۔[36]

فائِدہ: یہ طویل ہے ہم نے "القول المحقق فی ترجمۃ مناقب الموفق" تفصیل سے لکھا ہے۔

خارجی مان گیا: آپکی یہ خُصوصیّت تھی کہ آپ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریق پر (انداز سے) لوگوں کو سمجھا دیتے تھے کہ مخالف کو پھر

---

[34] (مناقب امام اعظم، (مترجم)، باب امام اعظم کے برجستہ جوابات، 1/165، مطبوعہ مکتبہ نوریہ لاھور)

[35] ((عقود الجمان لمناقب النعمان، فصل سادس عشر فی ذکائہ وفطنہ۔۔ 1/253، جامعۃ ام القری، مکۃ المکرۃ))

[36] ((عقود الجمان لمناقب النعمان، فصل سادس عشر فی ذکائہ وفطنہ۔۔ 1/266، جامعۃ ام القری، مکۃ المکرۃ))

کوئی گنجائش باقی نہ رہتی تھی۔ خارجیوں کا مشہور سردار ضَحّاک عہدِ بنی اُمیّہ میں کوفہ پر قابِض ومُسلّط ہوگیا۔ شمشیر بکف (ہاتھ میں تلوار لے کر) آپ علیہ الرحمۃ کے سامنے آیا اور تلوار دِکھاکر آپ علیہ الرحمۃ سے کہا توبہ کیجئے۔ فرمایا: بتایئے تو کس اَمر سے توبہ کروں؟ بولا اِس عقیدے سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قضیۂ اَمیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں ثالثی [37] مان لی تھی اور اُن کا یہ فعل وعمل دُرست تھا حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو اُنہیں ثالثی تسلیم ہی نہ کرنا چاہیئے تھی۔

فرمایا کہ اگر آپ مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہیں تو اور بات ہے قتل کر دیجئے لیکن اگر تحقیق مقصود ہے تو بحث و تقریر کی اِجازت دیجئے۔ ضَحّاک نے کہا: نہیں۔ میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ فرمایا: اگر باہمی بحث سے مناظرہ طے نہ ہوا تو کیا ہوگا۔ بولا دونوں ایک شخص کو پنچ قرار دیئے لیتے ہیں چُنانچہ ضَحّاک نے اپنے ہی آدمیوں سے ایک پنچ مقرّر کرلیا تاکہ وہ دونوں فریق کی صحّت و غلطی کا فیصلہ کرلے۔ اِس اِنتخاب کے بعد آپ نے ضَحّاک سے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور کیا کیا تھا؟ اُنہوں نے بھی بالکل وہی کیا تھا جو آپ اِس وقت خود کو حق پر سمجھتے ہوئے کر رہے ہیں۔ یہ سن کر ضَحّاک دم بخود ہوگیا اور خاموش اُٹھ کر چلا گیا۔ [38]

دَہْرِیَہ لاجواب ہوگیا: حضرت امام الائمہ سراج الامہ سیّدنا امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کا ایک خدا کی ہستی کے منکر (دَہریہ) سے مناظرہ مقرّر ہوا اور زیرِ بحث مسئلہ تھا کہ آپ کسی عقلی دلیل سے خداتعالیٰ کے وجود کو ثابت فرمایئے۔ اول تو مناظرہ پھر خلیفہ اور بادشاہ کے درمیان پھر اِتنے بڑے امام سے۔ دوست ودشمن بھی موجود ہوگئے۔ دَہریَہ بھی آیا مگر حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ وقتِ مقررہ سے بہت دیر کے بعد مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ دَہریَہ نے پوچھتے ہوئے کہا۔ آپ نے اِتنی دیر کیوں لگائی۔ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا مجھے آج عَجیب واقعہ نظر آیا۔ دَہریے نے پوچھتے ہوئے کہا وہ کیا؟ حضرت امام نے فرمایا سنیئے۔ میں آج جنگل کی طرف چلا گیا تھا وہاں ایک عَجیب واقعہ دیکھ کر حیرت میں آکر وَہیں کھڑارہ گیا۔ دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک بڑا درخت کھڑا تھا دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت خود بخود کٹ کر زمین پر گرپڑا پھر خود بخود اُس کے تختے تیار ہوئے پھر اُن تختوں کی خود بخود ایک کشتی تیار ہوکر دریا میں جاپڑی جو اِدھر کے مسافروں کو اُدھر اور اُدھر کے مسافروں کو اِدھر لانے، لے جانے اور پار اُتارنے لگی۔ ہر ایک شخص سے محصول (کرایہ) بھی وُصول کرتی تھی۔ دَہریَہ نے یہ سُن کر ایک قَہْقَہہ لگایا اور کہنے لگا۔ امام یہ بات غلط اور بالکل عقل کے خلاف ہے۔ حضرت امام نے فرمایا کیوں کر غلط ہے؟ اور کیوں کر عقل کے خلاف ہے؟ دَہریَہ نے کہا کہ بھلا یہ کام کہیں خود بخود ہو سکتے ہیں جب تک کرنیوالا نہ ہو۔ کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ حضرت امام نے جواب دیتے ہوئے فرمایا یہ تو کچھ بھی کام نہیں ہے آپ کے نزدیک تو اِس سے بھی زیادہ بڑے بڑے عالیشان کام خود بخود بغیر کسی صانِع (کرنیوالے) کے تیار ہو جاتے ہیں، یہ زمین، یہ آسمان یہ چاند وسورج یہ ستارے یہ باغات یہ صَدْہا قسم کے رنگین پھول اور شیریں پھل یہ پہاڑ یہ چوپائے یہ اِنسان غرض کہ ساری خدائی بغیر بنانے والے کے کیسے تیار ہوگئی۔ [39]

اگر ایک کشتی کا خود بخود بن جانا غلط اور خلافِ عقل ہے تو سارے جہاں کا بغیر بنانے والے کے بن جانا اِس سے بھی زیادہ غلط اور خلافِ عقل ہے۔

---

37) یعنی فریقین میں حق وباطل کا فیصلہ کرنے والا تیسرا شخص۔

38) (الخیرات الحسان فی مناقب النعمان، الفصل الثانی والعشرون فی عظیم ذکائہ، 1/120، مطبوعہ مکتبۃ الھدی والرشاد)

39) (عقود الجمان لمناقب النعمان، فصل سادس عشر فی ذکائہ وفطنہ۔۔ 1/267، جامعۃ ام القری، مکۃ المکرۃ)

دَہریّہ حضرت امامِ اَعظم رضی اللہ عنہ کی یہ نورانی تقریر سُن کر بِلْبِلا(تڑپ)اٹھااور معرفتِ الٰہی کاایسانور چمکا کہ دل ودماغ میں توحیدِالٰہی کاایساآفتاب وماہتاب طلوع ہو گیافَوراًتائِب ہو کرپڑھنے لگالاالہ الااللہ محمد رسول اللہ دولتِ ایمان سے مشرَّف ہو کر نعمتِ کونین سے سَرفراز ہو گیا،کسی نے خوب کہاہے

ہَر گِیا ہے که ازز میں روید   وحده لا شریک لهٗ گوید

یعنی جو گھاس زمین سے اُگتی ہے وہ خدا کی ہستی کااِعلان کرتی ہے۔اور وحدہٗ لاشریک کانعرہ بلند کرتی ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی باتیں:

(۱)ایک پہلوان غصے میں بپھرا ہوا(بے قابو ہو کر)،منہ سے جھاگ نکال رہاتھا۔سامنے سے شیخ سعدی گُذرے،پوچھا: یہ شخص اِتنا بَرہم(غصہ) کیوں ہے؟کسی نے جو اب دیا: پہلوان کو ایک شخص کوئی تلخ(کڑوی) بات کہہ کر چلا گیا ہے!" شیخ سعدی نے افسوس سے کہا:"پہلوان! تجھ پر افسوس کرنے کو جی چاہتا ہے کہ تو دس من کا پتھر تو بآسانی اٹھالیتاہے لیکن ایک بات اُٹھانے کی تاب نہیں رکھتا۔

(۲) شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ مکان کی خرید و فروخت میں مشغول تھے،یہودی نے کہا خرید لیں اِس میں کوئی عیب نہیں۔آپ نے فرمایا:اِس میں بہت بڑا عیب یہی ہے کہ اِس کا ہم سایہ یہودی ہے۔[40]

(۳) شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے علم کی راہ میں بے شمار سفر کئے اور ہزاروں مشکلوں کے بعد اپنے وقت کے علامہ روز گار بنے،ایک دفعہ کوفہ کے بازار سے گزر رہے تھے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جوتی ٹوٹ گئی،نوکیلے پتھروں اور کانٹوں نے پاؤں چھلنی کر دیئے تو اللہ تعالی کی بارگاہ میں شِکوہ کیا کہ یااللہ میں علم کی راہ میں نکلاہوں اور میرے پاؤں میں جوتاتک نہیں۔اللہ تعالی سے شکوہ کرکے ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ایک عبرتناک منظر دیکھا کہ ایک آدمی بھیک مانگ رہاہے اور اس کے دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے۔یہ عبرتناک منظر دیکھ کر شیخ سعدی مسجد میں گئے اور رورو کر دعامانگی کہ یااللہ مجھے معاف کردے جوتے نہیں ہیں تو کیاہوا ،دونوں پاؤں تو سلامت ہیں۔[41]

لَطائِفِ جامی رحمۃ اللّٰہ علیہ:ایک مرتبہ حِجاز کے سفر میں مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد پہنچے تو پیر جمال عراقی جو خود ایک بڑے پیر تھے اپنے کچھ مریدوں کے ساتھ اُن سے ملنے آئے۔پیر کااور اُن کے مریدوں کالباس سر سے پیر تک اُونٹ کی اُون کا تھا۔جب پیر جمال کی نظر مولانا پر پڑی تو فَوراً کہا : ہم نے خدا کا جمال دیکھا۔مولانا نے برجستہ (فوراً) جواب دیا ہم نے بھی خدا کے جمال دیکھے۔(جمال،جمع جَمَل بمعنی اُونٹ)یعنی خدا کے اُونٹ دیکھے۔[42]

---

[40] (گلستان شیخ سعدی، حکایت مظومه، حکایت نمبر 41، ص119 الی 120، مطبوعه مکتبه رحمانیه)

[41] (گلستان شیخ سعدی، باب چهارم، حکایت 9، صفحه 166، مطبوعه مکتبه رحمانیه)

[42] (حیات جامی، صفحه 26، مطبوعه علی گڑھ)

(۲)ایک مُہمل(فضول) گو شاعر حج سے واپسی پر اُن سے ملنے آیا، دورانِ گفتگو میں کہنے لگا کہ میں نے اپنا دیوان(نظم) برکت حاصل کرنے کی غرض سے حجرِاسود پر رگڑا۔اُنہوں نے فرمایا:اگر آبِ زم زم میں ملتا تو زیادہ بہتر تھا۔[43]

(۳)ایک شخص مولانا ولی نامی اُنکے پاس آیا وہ جاہلِ مطلق(نِرا جاہل) تھا، ناموزوں لفظوں کو ایک دوسرے سے ملا دیتا اور اُس کو نظم سمجھتا لوگ اُس پر ہنستے۔مولانا حضرت جامی رحمۃاللہ علیہ سے ایک سَنَد مانگنے لگا اور خوب اِصرار کیا عزیزوں کی قسمیں کھانے لگا۔مولانا نے اُس کی دِل جوئی(حوصلہ افزائی) کیلئے یہ رُقعہ(پرچہ) لکھ دیا:

"مولانا ولی نے اپنی صحبت سے بندہ کو عزّت بخشی اور اپنے دل پسند شِعروں سے ہمیں محظوظ(خوش) کیا۔اُس کی شاعری کا درجہ اِس سے زیادہ بلند ہے کہ وزن کی تنگ جگہ میں سَما سکے یا کوئی شخص اِسے طبیعت کے ترازو میں تول سکے۔"

سَر مُنڈانا: ایک دفعہ شیر شاہ کے بیٹے سلیم شاہ نے بطورِ مذاق مرزا کامران والئی قَندھار سے جو سلیم شاہ کے پاس آیا ہوا تھا، پوچھا:

"کیا تمہاری عورتیں بھی تمہاری طرح سَر منڈاتی ہیں؟"

مرزا نے جواب دیا: "نہیں ہماری عورتیں تمہاری طرح سر پر بال رکھتی ہیں۔"

فائِدہ: عورتوں کا سر منڈانا نہایت ہی مَذموم فعل(ناپسندیدہ عمل) ہے لیکن ہمارے دور میں جن خواتین کو جِدّت(انوکھا بننے) کا مرض ہے وہ سر منڈاتی نہیں تو چھوٹے بال ضرور کرواتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی خواتین بہت ہی بُری لگتی ہیں۔

قُربِ شاہاں کی سزا: ایوب المرزَبانی، خلیفہ منصور کا وزیر تھا، جب منصور اُس کو اپنے حُضور(دربار) میں طلب کرتا تو وہ(خوف سے) پیلا پڑ جاتا تھا۔بعض لوگوں نے اُس سے کہا"ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی باریابی(پیشی) اَمیر المومنین کے دربار میں بکثرت(بہت زیادہ) ہوتی ہے اور اَمیر المومنین آپ سے مانوس بھی ہیں پھر بھی جب آپ اُن کی خِدمَت میں جاتے ہیں تو متغیر ہو جاتے ہیں۔ایوب المرزَبانی نے کہا: میری اور تمہاری مثال ایک باز اور مرغ جیسی ہے، دونوں نے مناظرہ کیا، باز نے مرغ سے کہا: میں نے تجھ سے زیادہ بے وفا نہیں دیکھا تو ایک انڈا تھا، تیرے مالک نے تیرے سہنے کا انتظام کیا پھر اُس نے اپنی ہتھیلیوں سے تجھے کھلایا پلایا لیکن جب تو بڑا ہو گیا تو مالک سے بھاگا بھاگا پھرتا ہے، دوسری طرف میں ہوں پہاڑوں سے پکڑا جاتا ہوں، دو دو، تین تین دن تک بَندش(قید) میں رہتا ہوں۔کھانے پینے کو بھی زیادہ خوراک نہیں دی جاتی مگر جب شکار پر چھوڑا جاتا ہوں تو شکار لے کر سیّدھا مالک کے پاس آتا ہوں۔مرغ نے کہا: تیری دلیل بے کار ہے اگر تو سیخ پر چڑھے ہوئے دو باز بھی دیکھ لیتا تو کبھی مالک کے پاس لوٹ کر نہ آتا، میں ہر وقت مرغوں سے بھری سیخیں دیکھتا ہوں، پھر بھی مالک کے ہاں رات بسر کر لیتا ہوں تو میں تجھ سے زیادہ وفادار ہوں پھر ایوب نے یہ قِصّہ سُنا کر کہا: اگر تم منصور کی عادتوں کو اُسی قدر جانتے، جس قدر میں جانتا ہوں تو اُس کی طلبی کے وقت تمہارا حال میرے حال سے بھی زیادہ ابتر ہوتا۔اُس غریب کو اپنے کیے کا سامنا کرنا پڑا، اُس کے اِحسانات کے باوُجود منصور نے ۱۵۴ ہجری

---

[43]) (گلستان شیخ سعدی، باب چهارم، حکایت 9، صفحه 166، مطبوعه مکتبه رحمانیه)

میں اَموال ضبط کر کے اُسے قتل کرڈالا۔ سچ ہے کہ [44]

قربِ سلطان آتش سوزا ن بود۔

سلطان سِکندر بڑا ڈاکو:فاتح زمانہ سکندر اَعظم کی فَوج نے ایک ڈاکو کو گرفتار کیا جس نے کئی ڈاکے ڈال کر اپنی دِہشت پھیلار کھی تھی۔ جب ڈاکو کو سکندرِ اَعظم کے حُضور پیش کیا گیا تو سکندرِ اَعظم نے کہا اے بدبَخت ڈاکو تم کو یہ بُرے کام کرتے ہوئے شرم نہیں آتی تو ڈاکو بولا سرکار جو کام میں چھوٹے پیمانے پر کرتا ہوں آپ اُسے وَسیع پیمانے پر سرانجام دیتے ہیں، میرے ساتھیوں کی تعداد گنتی کی ہوتی ہے ،اِس لئے ہمیں ڈاکو کا خطاب ملتا ہے مگر آپ کے پاس بہت بڑا لشکر ہوتا ہے جو شاہی لشکر کہلاتا ہے، میرے کام کو ڈاکہ زَنی اور آپ کے کام کو فُتوحات کے نام سے پُکارا جاتا ہے، میں تو صِرف ایک دو گاؤں ہی لوٹ چُکا ہوں مگر آپ تو سینکڑوں ملکوں کو تباہ و برباد کر کے اُن کو لوٹ چکے ہیں لہٰذا جان بخشی کی اِجازَت چاہتے ہوئے غلام عرض کرتا ہے کہ میں تو ادنیٰ سا ڈاکو ہوں مگر سرکار عالمگیر ڈاکو ہیں، میں چھوٹا ڈاکو آپ بڑے ڈاکو اِس لئے سرکار کو اپنے ہم پیشہ کا خیال رکھنا چاہیئے۔

بُزدِل سِکندر: سکندر اَعظم کے رُوبرُو ایک ایسا سپاہی پیش ہوا جس کا نام بھی سکندر تھا لیکن بُزدِل بہت تھا، ہمیشہ میدانِ جنگ سے فَرار ہو کر اپنے خیمے میں رُوپوش (غائب) ہو جاتا۔ سکندر اَعظم نے اُس سے پوچھا: تمہارا نام ؟ سپاہی نے جواب دیا: سکندر۔ سکندر اَعظم نے اَفسوس سے اپنا فیصلہ سُنا دیا، تب پھر تم میرا فیصلہ سُن لو، تم ہماری سپاہ (لشکر) میں اُسی وقت رہ سکتے ہو جب یا تو تم اپنا نام بدل دو گے یا پھر اپنا کام۔

گدھا اور سِکندر: جب سکندر اَعظم نے یونان کے ایک شہر کو فتح کیا تو اُس شہر کے ایک فَلسفی سے ملنے گیا جس کا نام دیو جانس قلبی تھا۔ وہ ایک جھونپڑی میں رہتا تھا۔ سکندر اَعظم جب اُس جھونپڑی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ فَلسفی سو رہا تھا۔ سکندر اَعظم نے اُسے لات ماری اور کہا میں نے اِس شہر کو فتح کر لیا ہے اور تو اِس طرح بے فکری سے سو رہا ہے۔ دیو جانس قلبی نے غصے سے سکندر اَعظم کی طرف دیکھا اور کہا شہر فتح کرنا بادشاہوں کا کام ہے اور لات مارنا گدھوں کا کام ہے۔ کیا کوئی آدمی دنیا میں نہیں رہا جو ایک گدھے کو بادشاہت دے دی گئی ہے۔

فائِدہ: سکندر اَعظم کے بارے میں اِختِلاف ہے کہ وہ نبی یا ولی اللہ تھے، اُن کے حق میں ایسے نازیباالفاظ استعمال کرنا جائز ہے چونکہ رِعایا سے سکندر کو پیار تھا اِسی لئے اُن سے یہ الفاظ سُنے اور حوصلہ فرمایا یہی پاکباز (نیک) لوگوں کا کام ہے۔ حضرت سکندر کے بارے میں تفصیل کیلئے فقیر کے رِسالے "یاجوج ماجوج" کا مطالعہ کیجئے۔ (قابلِ غور)

بیٹے کو سزا: شُجاعُ الدَّولہ اَودھ کے نواب صَفدر جنگ کا اِکلوتا بیٹا تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے شُجاعُ الدَّولہ بنارَس کی ایک عورت کے گھر دیوار پھاند (پھلانگ) کر جا گھسا، گھر کے لوگوں کی آنکھ کھل گئی اُنہوں نے فَوراً اُسے پکڑا اور اُسی وقت کو توال (سپہ سالار) کے پاس لے گئے کو توال نواب کے بیٹے کو ملزِم کی حیثیت سے دیکھ کر کَشمکش و پیچ (کشمکش) میں مبتلا ہو گیا، اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ شُجاعُ الدَّولہ سے کیا سُلوک کرے، آخر وہ نواب صَفدر جنگ کے محل پہنچا اور نواب کو نیند سے جگا کر یہ واقعہ سنایا۔ نواب کو غصہ آگیا، اُس نے کو توال سے کہا "کو توال! معلوم ہوتا ہے تجھے اپنی ذمہ داری کا اِحساس نہیں ورنہ تو آدھی رات کو

---

[44] (حیاتُ الحیوان ، (مترجم) جلد 1 ، صفحہ 326 ، مطبوعہ اکبر بک سیلر لاہور)

مجھے نہ جگاتا۔ تجھے خود معلوم ہونا چاہیئے کہ غنڈوں سے کیا سُلوک کیا جاتا ہے۔ کوتوال تھانے پہنچا، اُس نے شُجاعُ الدَّولہ کو ایک عام ملزم کی طرح زَدوکُوب (مار پیٹ) کر کے قید میں ڈال دیا۔ سات روز کے بعد شُجاعُ الدَّولہ کو نواب صَفدر جنگ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نواب نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو حِقارت سے منہ پھیر لیا اُس کے بعد اُس نے چھ (۶) ماہ تک اُس سے بات نہیں کی۔

فائِدہ: یہ تو تھے وہ سربراہانِ مملکت کہ جنہیں رِعایا اولاد سے بھی پیاری تھی، آج ہم ذلیل وخوار اِس لئے ہیں کہ ہمارے سربراہ نفس کے بندے ہیں۔ اُنہیں رِعایا پروری (کی خدمت) کا کوئی اِحساس نہیں۔

ادیب شاعر: یہ صاحب حضرت سلطان سنجر مرحوم کے ادیبوں میں سے تھا، ایک دن جب کہ برف اور جاڑا خوب پڑ رہا تھا، رشید وطواط اِس کے دروازہ پر گیا اور دربان سے سنا کہ ادیب صاحب گھر میں نہیں ہیں، رشید وطواط نے اُسی وقت یہ شعر کہہ کر حاضرین کو سنایا۔

آنکس که برون رود درین روز * غیراززن غربگو دگر کیست

ترجمہ: جو اِس دن بھی گھر سے باہر چلا جائے وہ فاحِشہ عورت کے سوا اور کون ہو گا؟

اَدیب صاحب گھر میں ہی تو تھا اُس نے کھڑکی سے منہ نکال کر جواب دیا۔

من درحرم موجود م به بینید * پیدا ست که دربرون درکیست۔

ترجمہ: میں تو گھر میں موجود ہوں۔ اب دیکھ لو کہ اِس وقت گھر سے باہر کون؟

نتیجہ: رشید وطواط نے اَدیب صاحب کو فاحِشہ عورت بنایا لیکن اَدیب صاحب نے اپنے زورِ کلام سے اُسے وہی لقب واپس لوٹا دیا۔

سوال: اَدیب نے جھوٹ کیوں بولا جبکہ وہ گھر میں موجود تھا لیکن کہلا بھیجا کہ وہ گھر میں نہیں ہے؟

جواب: یہ دربان کا جھوٹ ہے اَدیب صاحب سے جھوٹ نہیں سُنا گیا اور یہ پہلے سے مرضِ عام ہے کہ نوکر آقا کو بچانے کے لئے از خود کہہ دیتے ہیں کہ صاحب گھر میں نہیں۔ جیسے آجکل کے سیاسی لیڈروں اور مشاہیر (مشہور) اُمراء کے نوکروں کی عادت ہے۔ اِسی لئے یہ سوال اَدیب شاعر پر وارد نہیں ہوتا۔

مولانا امام شہید اور مرزا غالب: مرزا غالب اور مولانا امام شہید میں ظریفانہ نوک جھونک (مزاحیہ انداز میں بحث) ہو رہی تھی، مرزا غالب نے خاص ظریفانہ (مزاحیہ) رنگ میں کہا۔ "اَجی! یہ تو بتایئے آپ شہید کب سے ہوئے؟" امام نے برجستہ جواب دیا۔ "جب کافر غالب ہوئے"۔

شہنشاہ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں: اورَنگ زیب عالمگیر کے دورِ حکومت میں دہلی کے قریب ہی گاؤں میں ایک بوڑھا اور بڑھیا اپنی اِکلوتی بیٹی کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک روز اُنہوں نے اورَنگزیب عالمگیر کے دربار میں جا کر فریاد کی کہ ہر ماہ کی ستائیس (۲۷) تاریخ کو ایک جن آگ برساتا ہوا یہاں آتا ہے، وہ اتنا خوف ناک اور بدصُورت ہے کہ اُس کو دیکھتے ہی ہم دونوں بے ہوش ہو جاتے ہیں وہ ہماری بیٹی کو پریشان کر کے چلا جاتا ہے، ہم کمزور اور غریب ہونے کے باعث اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اِس لئے آپ سے گذارِش کرتے ہیں کہ یا تو آپ ہماری حفاظت کا کوئی بندوبَست (انتظام) کر دیجئے یا پھر ہم

سب کو موت کے گھاٹ اُتروا دیجئے آخر ہم غریب لوگ کب تک اپنی آنکھوں سے اپنی ہی غربت کا خون ہوتے دیکھتے رہیں گے۔ یہ کہہ کر دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ سارے دربار پر سنّاٹا چھا گیا اور نگ زیب عالمگیر نے بمشکل اُن دونوں کو چُپ کرایا اور کہا کہ اب جب بھی وہ جن تمہارے گھر آئے تم میرے محل کی طرف منہ کرکے تین بار بلند آواز سے اُسے کہنا اور نگ زیب جلدی پہنچوں جن آگیا ہے اِس پر وہ دونوں مطمئن ہوکر واپس چلے آئے۔

منٹوں میں گھنٹے اور گھنٹوں میں دن تبدیل ہوتے رہے اور پھر چاند کی ستائیس تاریخ بھی آن پہنچی مگر جن نہ آیا۔ اِسی طرح دوسرے تیسرے پانچویں، ساتویں، دسویں اور پھر پورے سال جن نہ آیا۔ اب تو دونوں میاں بیوی بڑے خوش ہوئے اُن کا خیال تھا کہ اب جن کبھی بھی اُن کے گھر کا رُخ نہیں کرے گا۔ اِس کے ساتھ ساتھ اُن کے دل میں بادشاہ کی قدر و منزلت بھی بڑھتی گئی وہ سوچنے لگے ہمارے بادشاہ کے جلال سے نہ صرف اِنسان بلکہ جن تک بھی کانپتے ہیں۔ پورے ایک سال کے بعد چاند کی ستائیس تاریخ کو جن پھر نمودار ہوا۔ یہ دیکھ کر دونوں میاں بیوی بہت گھبرائے اور خوف سے کانپنے لگے۔ بڑھیا نے بوڑھے سے کہا تم جلدی سے اور نگ زیب کو آواز دو، وہ ضرور وعدے کے مطابق ہماری مدد کو پہنچے گا۔ بوڑھا بولا: یہ تو بادشاہوں کے آرام کرنے کا وقت ہے بھلا وہ کیوں اپنی نیند خراب کرکے ہماری مدد کو آئے گا۔ آخر کار بڑھیا کے بار بار اصرار پر بوڑھے نے بلند آواز سے اور نگ زیب کے محل کی طرف منہ کرکے کہا اور نگ زیب جلد پہنچو جن آگیا ہے۔ ابھی بوڑھا دوبارہ صدا دینے ہی والا تھا کہ اچانک دیوار کے ساتھ والے درخت سے ایک نقاب پوش آدمی ہاتھ میں ننگی تلوار لیئے اندر کُودا، تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو اُس کی تلوار خون آلود تھی۔ اُس نے دوسرے ہاتھ میں جن کا سر پکڑ رکھا تھا اُس نے فَوراً تلوار اور کاٹا ہوا سر ایک طرف رکھا اور سجدے میں گر گیا۔ جب وہ اُٹھا تو یہ کہتے ہوئے جانے لگا کہ اب وہ جن کبھی نہیں آئے گا مگر بوڑھے نے اُس کا راستہ روک لیا اور اُس سے پوچھنے لگا: کیا میں اپنے مُحسِن کا نام پوچھ سکتا ہوں نقاب پوش نے فَوراً اپنا نقاب اُلٹ دیا تو دونوں میاں بیوی اپنے سامنے بادشاہِ وقت اور نگ زیب کو دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے، اور نگ زیب عالمگیر نے اُنہیں بتایا کہ جب تم اپنی شکایت اور فریاد لے کر میرے دربار میں آئے تھے تو یہ جن اصل میں جو میرا ہی ایک درباری تھا۔ سب کچھ غور و فکر سے سُن رہا تھا۔ اِسی لئے اُس نے اپنا شک دور کرنے کے لئے اور ہمیں مطمئن کرنے کے لئے اتنا وقفہ دیا اُس نے سوچا کہ ایک سال گذر جانے کے بعد شاید بادشاہ اپنا وعدہ اور یہ واقعہ بھول چکا ہوگا۔ خدا کی قسم اگر یہ بدبخت پچاس سال کے بعد بھی دوبارہ تمہارے گھر میں قدم رکھتا تب بھی مجھے اِسی طرح اپنا منتظر پاتا۔ یہ کہہ کر اور نگ زیب عالمگیر اپنے محل کی طرف چلا گیا۔

بوڑھا اور بڑھیا دونوں جواب تک اور نگ زیب عالمگیر کی باتیں بڑے اِشتیاق اور حیرت کے ساتھ سُن رہے تھے بادشاہ کی عقل مندی اور بہادری کے قائل ہو گئے۔

بادشاہ عالمگیر اور بہر و پیا: نقل ہے کہ عالمگیر بادشاہ کے وقت میں ایک بہروپیا یعنی نَقّال (اداکار) اپنے فَن میں بڑا کامل تھا۔ جب بادشاہ عالمگیر کو خبر ہوئی تو اُس نے نَقّال کو بُلا کر کہا کہ ہم تیرے دَھوکے میں نہیں آسکتے۔ نَقّال (اداکار) نے بادشاہ کی خِدمت میں عرض کیا کہ اگر میں آپ کو دَھوکا دے دوں تو مجھے کیا انعام ملے گا۔ عالمگیر نے کہا کہ اگر تو نے مجھے دھوکا دے دیا تب تو تجھے دس ہزار روپیہ انعام دوں گا ورنہ پھانسی تیار ہے۔ نَقّال (اداکار) نے عرض کیا حُضور مجھے منظور ہے لیکن آپ اِس بارے میں مجھے ایک دستاویز لکھ دیں گے۔ بادشاہ نے اپنی مہرِ ثَبت کرکے دستاویز لکھ دی اور نَقّال لے کر چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد عالمگیر کو ملک دِکن کی تَسخیر کے واسطے (یعنی فتح کرنے کے لئے) فَوج کشی (چڑھائی) کرنی پڑی۔ اُدھر اُس نَقّال (اداکار) نے بادشاہ کا اِرادہ فَوج کشی معلوم کرکے ملک

دِکن میں اور نگ آباد کے قریب ہی جنگل میں ڈیرا جالگایا اور فقیرانہ صورت بنا کر خَلقَت سے منہ موڑ کر بظاہر یادِ خدا میں مشغول ہو گیا اور دنیا و اَہلِ دنیا کی طرف سے بالکل بے رغبتی ظاہر کی اور خدا کے مقبول بندوں کے عادات واَخلاق کو خوب ہی نبایا(اچھے سے ادا کیا)۔ جو لوگ نذریں وغیرہ اُس کے پاس لاتے اُن کی طرف توجّہ نہ کرتا اور دن رات یادِ خدا میں مشغول رہتا۔ گرد ونَواح میں اُس کی بڑی شُہرت ہو گئی۔ لوگ کثرت سے اُس کے گرد جمع ہوتے اور مقبولِ خدا، وَلیُّ اللہ جاننے لگے۔

اُس کی شہرت کا عام چرچا ہو گیا۔ وہ عالمگیر بادشاہ کے آنے کا منتظر رہتا کہ کب آئے تو دَھوکا دوں آخر کار کچھ عرصہ کے بعد عالمگیر بھی وہاں پہنچا۔ عالمگیر بڑا ہی خدا پَرست اور فقیر دوست بادشاہ تھا۔ اُس کی عادت تھی کہ جہاں کہیں کسی مُتّقی وپرہیزگار فقیر کو پاتا اُس سے ملتا اور شاہانہ سُلوک سے اُس کے ساتھ پیش آتا۔ جب اور نگ آباد میں پہنچا تو حسبِ عادت لوگوں سے پوچھا کہ یہاں بھی کوئی باخدا درویش ہے کہ نہیں۔ لوگوں نے اُسی فقیر کا ذکر کیا اور حد سے زیادہ اُس کی تعریف وتوصیف بیان کی۔ بادشاہ نے سوچا کہ اُسے آزمانا چاہیئے اور اگر واقعی وہ دنیا سے بے رغبت اور انقِطاع وِالا ہے تو ہم بھی اُس کی زیارت کریں چُنانچہ عالمگیر نے وزیر کو سو اَشرفیاں دے کر بھیجا جب وزیر اُس کے پاس گیا تو اُس نے دور سے دیکھتے ہی گردن جُھکالی اور گو یا مراقِب ہو کر بیٹھ گیا وزیر آیا اور ادب سے بیٹھ گیا۔ بڑی دیر کے بعد جب وزیر اُٹھ کر واپس جانے کے حیلے کرنے لگا تو اُس نے گردن اُٹھا کر وزیر کی طرف دیکھا۔ وزیر نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ فقیر نے پوچھا کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا کام ہے؟ وزیر نے کہا: میں عالمگیر بادشاہ کا وزیر ہوں اور حُضور کے سلام وزیارت کے لئے آیا ہوں اور اشرفیاں پیش کر کے کہا کہ بادشاہ نے یہ حُضور کی نذر بھیجی ہے اِسے منظور فرمالیں۔

فقیر نے جواب دیا کہ میں ایسی ہی کتّی دنیا سے منہ موڑ کر اور کنارہ کش ہو کر صرف خدا تعالیٰ کے وَصل اور دیدارِ الٰہی کے شوق میں یہاں آبیٹھا ہوں۔ مجھ پر آپ کا بڑا ہی اِحسان ہو گا اور میں آپ کے واسطے بہت ہی دعا کروں گا جو آپ مجھے اِس سے معاف رکھیں اور یہ اُشرفیاں واپس لے جائیں۔ وزیر نے دینے میں بہت اصرار کیا لیکن فقیر نے ایک نہ مانی آخر مجبور ہو کر وزیر اَشرفیاں لئے ہوئے واپس چلا گیا اور بادشاہ کے پاس سارا قِصّہ جا سنایا۔ بادشاہ کو بھی اُس کی ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا۔ اور سات گاؤں کا پٹہ معافی(معافی نامہ)اور دو ہزار اشرفیاں نذر کے واسطے لے کر فقیر کے پاس پہنچا۔

فقیر بادشاہ کی آمد کی خبر سُن کر مراقب(غور وفکر)ہو گیا اور جس وقت بادشاہ وہاں پہنچا اور السلام علیکم کی تو اُٹھ کر بڑے تپاک(خلوص)سے ملا۔ مصافحہ کیا بہت خوش اَخلاقی سے پیش آیا اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اَنجام کار(آخر کار) بادشاہ نے وہ پٹہ معافی(معافی نامہ)اور اشرفیاں پیش کیں، فقیر نے لینے سے انکار کر دیا، بادشاہ نے پھر دینے میں اصرار کیا۔ اُس نے پھر بھی انکار ہی کیا۔ تین چار بار جب اِسی طرح کا اصرار وانکار ہو چکا تو تنگ آ کر فقیر نے کہا کہ آپ بار بار یہی دینا چاہتے ہیں تو میں کسی اور جنگل میں جا بیٹھوں گا مگر اِس کی طرف منہ نہیں کروں گا۔ بادشاہ کو مجبور ہو کر اپنے ارادے سے باز رہنا پڑا مگر فقیروں کی عَقیدت دل میں زیادہ بڑھ گئی۔ چلتے وقت بالحاح(اصرار کرتے ہوئے) فقیر سے کہا کہ حضرت کل صبح میری فَوج کا کوچ ہو گا۔ میری دِلی تمنا ہے کہ کل آپ کی زیارت کر کے کوچ کروں۔ فقیر نے کہا آپ بادشاہ ہیں سلطنت اور فَوج کے کاروبار آپ کو بہت ہیں آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ کل صبح میں خود ہی حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا۔ آخر بادشاہ تو اقرار کرا کر چلا گیا اور فقیر نے اپنی وہی پرانی خنجری بغل میں دبائی اور صبح ہوتے ہی بادشاہ کی **خدمت** میں حاضر ہوا۔

بادشاہ کو خبر ہوئی تو تخت سے اُتر کر اُس کے اِستقبال کو آیا اور ساتھ لے جا کر تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فقیر جو دراصل بہروپیا تھا۔ دعائے ترقی و سلطنت اور جان و ایمان دے کر عرض کرنے لگا کہ حُضور میں وہی بہروپیا ہوں جس نے حُضور کو دَھوکا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ سو اب دَھوکا پورا ہو چکا کیونکہ آپ مجھے نہیں پہچان سکے اور بغل میں سے وہی خنجری نکال کر بجانے لگا۔ بعدازاں وہی دستاویز دکھا کر کہا حضو اپنا وعدہ پورا کریں۔

بادشاہ تخت پر جا بیٹھا اور اُس بہروپئے سے کہا کہ بے شک تو مجھے دَھوکا دے چکا اور میں تجھے نہیں پہچان سکا مگر ایک بات بتا کہ جب میں تیرے پاس سات گاؤں کی معافی کا پٹہ اور دو ہزار اشرفیاں جو نسلاً بعد نسل تیرے اور تیری اولاد کے کام آتیں اور یہ دس ہزار روپیہ اُس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں لے کر گیا تو وہ تو نے کیوں منظور نہ کیا حالانکہ نہ میں نے تجھے پہچانا تھا اور نہ تیرے پاس کسی کو تفتیشِ حالات کے واسطے آنا تھا تو مدت العمر (عمر بھر) چین سے زندگی بسر کرتا پھر کونسا امر تجھے مانع ہوا۔ اُس نے کہا حُضور سچ تو یہ ہے کہ جس پاک گروہ کی نقل کر کے میں نے حُضور کو دھوکہ دیا ہے۔ اُن کو اِس سے سخت نفرت تھی اگر میں آپ سے وہ اشرفیاں اور پٹہ لے لیتا تو اُس پاک گروہ پر دَھبّہ لگتا اور نقل میں غلطی اور جھوٹ ہوتا اور میدانِ قیامت میں مجھے شرمندگی ہوتی کہ ارواحِ طیّبہ اَولیاء کی فرماتیں کہ نالائق کیا ہم ایسے ہی تھے جیسی تو نے نقل اتاری ہے۔ ہم تارکِ دنیا تھے، تو نے ہمیں طالبِ دنیا بنایا ہے۔ اِس لئے دس ہزار روپیہ پر اکتفا کیا اور اتنی بڑی جائیداد اور سونا ترک کیا۔ میں نے نقل صحیح صحیح اتار دی ہے اُس میں کوئی غلطی نہیں ہونے دی۔ اب آپ جو یہ روپیہ مجھے دیں گے وہ میں نے نقل صحیح کر کے لیا ہے اور یہ میرے واسطے حلال ہے۔ عالمگیر نے اُس کو اُٹھ کر چھاتی سے لگایا اور کہا شاباش ہے کہ تو نے نقل اتارنے میں اُن بزرگوں کی تعظیم کا اتنا خیال تو رکھا اور دھبّہ نہیں لگنے دیا۔ (45)

فائدہ: اگر کوئی نقلِ اَولیاء کی کرے تو چاہئیے کہ صحیح صحیح کرے۔ جس سے اَولیاء کرام کی کسی طرح کی تہمت اور مذمّت نہ ہو۔ اُس پاک گروہ کے ادب کا خیال رکھے۔ تاہم امید نفع کی ہے کہ جس کی مشابہت کی ہے۔ جس کا اثر اُس مشابہت کرنے والے میں بھی آئے ورنہ وبالِ جان ہے۔

مامون الرشید اور بدو: ایک بدوِ (دیہاتی) مامون الرشید کے دربار میں حاضر ہوا اور کہنے لگا میں اَعرابی ہوں۔ مامون نے جواب دیا "یہ کوئی حیرت کی بات تو نہیں" بَدوِ (دیہاتی) بولا: میں حج کرنا چاہتا ہوں۔ تو روکا کس نے "لیکن میرے پاس راہ کا خرچہ نہیں ہے۔" تب تو تم پر حج واجب ہی نہیں رہا۔ بدوِ (دیہاتی) یہ جواب سُن کر زَچ ہو گیا (تنگ آگیا) اور بولا: اَمیر المومنین میں آپ کے پاس فتویٰ نہیں اِمداد طلب کرنے آیا ہوں۔ اُس بے ساختہ (بے اختیار) جواب پر مامون کی ہنسی چُھوٹ گئی اور اُس نے اِمداد کا حکم جاری کر دیا۔

بادشاھی کی قیمت ایک پانی کا پیالہ: حضرت بایزید بُسطامی سے ہارون رشید کی ملاقات ہوئی۔ عباسی خلیفہ بہت خوش ہوا ہارون رشید کو معلوم تھا کہ حضرت بایزید بُسطامی بے غرض، بے لوث اور طمع و حرص سے پاک ہیں، عقیدت مندانہ سوال کیا۔ بایزید! تم بتا سکتے ہو کہ میری سلطنت کی کیا قیمت ہے؟ بایزید مسکرائے اور جواب دیا "تمہاری عظیم الشان سلطنت کی وہی قیمت ہے جو پیالے بھر پانی کی قیمت ہو سکتی ہے۔ ہارون رشید نے تعَجُّب سے دریافت کیا؛ "وہ کس طرح؟ ذرا اِس کی وضاحت تو فرمائیں!" حضرت بایزید نے جواب دیا ہارون! تھوڑی دیر کے لئے تم اپنے آپ کو ایک ایسے ریگستان میں موجود

[45] (زلف و زنجیر، واقعہ لمحہ آتش، 1/329، مطبوعہ شبیر برادرز)

تصوّر کرلو جہاں مِیلوں پانی کا نام و نشان تک نہ ہو، وہاں تم پر پیاس غلبہ کرے اور پانی تک پہنچنے کے جملہ وسائل (تمام واسطوں) سے تم محروم ہو شدّتِ پیاس سے تمہاری زبان ہونٹوں سے باہر آچکی ہو ایسے میں ایک بدوِ (دیہاتی) پانی کا ایک پیالہ لے کر نمودار ہو اور وہ پیالہ اِس شرط پر تمہیں دینے کو تیار ہو کہ تم اُس کے بدلے میں اپنی پوری سلطنت بدوِ (دیہاتی) کو دے دو بتاؤ تم کیا کروگے۔ہارون نے کہا کہ وہ پانی کا پیالہ ضرور حاصل کرونگا۔ بایزید نے مسکرا کر فرمایا کہ گویا وہ پیالہ تیری سلطنت سے زیادہ قیمتی ہے، ہارون نے گردن جُھکا کر کہا بیشک وہ پیالہ زیادہ قیمتی ہے۔

مودھو آیا: مرزا کامران والیٔ قندھار (ہمایوں بادشاہ کا بھائی) جب اپنے بھائی سے شکست کھا کر ہندوستان میں شیر شاہ کے بیٹے سلیم شاہ کے پاس آیا تو پٹھان لوگ اُس کو دربار میں آتا دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ مودھو آیا۔ مرزا کو اُس سے بہت شرم آتی۔ایک دن اُس نے سلیم شاہ کے روبرو اُس کے ایک مصاحِب (ساتھی) سے پوچھا کہ مودھو کرامی گوئیند ۔اُس نے کہا: مود عظیم الشان کو کہتے ہیں تو مرزا نے کہا:

پس سلیم شاہ خوش مودھو است۔

سلیم شاہ نے شرمندہ ہو کر منع کر دیا کہ پھر کوئی یہ لفظ نہ کہے۔

مامون الرشید کی فراست: خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا مامون امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تھا اور اُس کے پاس پڑھنے کے لئے جایا کرتا تھا مامون ابھی نو عمر ہی تھا امام کسائی کی عادت یہ تھی کہ وہ مامون کی قرأت سنا کرتا تھا اگر وہ صحیح پڑھتا تھا تو وہ گردن ہلاتا رہتا تھا اور اگر پڑھنے میں کہیں غلطی کرتا تھا تو سر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھنے لگتا تھا مامون خود ہی اپنی غلطی محسوس کر لیتا تھا اور پھر اُسے ٹھیک کر لیتا تھا۔ایک روز مامون نے سورہ صف کی یہ آیت پڑھی۔ لِمَ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ [46] یعنی اے مسلمانوں ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جنہیں پورا نہیں کرتے۔یہ آیت سُن کر کسائی نے سر اٹھایا اور مامون کو دیکھنے لگا مامون نے دوبارہ یہ آیت پڑھی اور اُسی طرح پڑھی، کیونکہ اُس نے کوئی غلطی نہیں کی تھی۔کسائی خاموش ہو گیا۔ تعلیم کے بعد مامون اپنے باپ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس گیا اور اُس سے کہا: اے اَمیر المومنین آپ نے کسائی سے کوئی وعدہ کیا تھا اور وہ آپ کو یاد دلاتے ہوئے شرماتے ہیں۔ہارون نے کہا ہاں کسائی نے مجھ سے قرأت کے بارے میں مدد چاہی تھی۔ میں نے وعدہ کر لیا تھا کیا تم سے کسائی نے کچھ کہا تھا؟ مامون نے کہا نہیں تو، خلیفہ نے پوچھا پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا۔مامون نے آیت والا سارا ماجرا سنا دیا۔ خلیفہ اپنے بیٹے کی ذکاوت اور ذہانت کی وجہ سے بہت خوش ہوا۔ [47]

حقیقی بادشاہ: ایک بزرگ پاؤں پسارے (پھیلائے) بیٹھے تھے کہ وقت کا بادشاہ مع وزیر وہاں سے گذرا، وہ بزرگ بدستور پاؤں پسارے (پھیلائے) بیٹھے رہے۔وزیر نے کہا حضرت پیر پسارنا (پھیلانا) کب سے سیکھا ہے؟ فرمایا: جب سے دنیا سے ہاتھ سمیٹ لیا ہے۔ پھر وزیر نے کہا کہ یہ بادشاہ ہیں اِنکی تعظیم کرنی چاہیئے۔ فرمایا: بادشاہ تمہارے لئے ہے میرے تو غلام کا غلام ہے۔ وزیر نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا کہ بادشاہ ہوا و ہوس (نفسانی خواہشات) کا غلام ہے اور ہوا و ہوس (نفسانی خواہشات) میری غلام ہے لہٰذا یہ میرے غلام کا غلام ہوا۔

---

[46]) الصف: 2

[47]) (موسوعة القصص والأقوال المأثورة 105/1. الناشر: Ekutub LTD شركة برطانية مسجلة. الطبعة الثانية 2021)

فائِدہ: واقعی اللہ والوں کا طریقہ یہی ہے کہ ہوا وُہوس (نفسانی خواہشات) اُنکی غلام ہے اور ہم ہوا وُہوس (نفسانی خواہشات) کے غلام ہیں۔

سلطان حیدر علی: والیٔ میسور سلطان حیدر علی ناخواندہ (اَن پڑھ تھا) مگر اِس قدر مردم شناس (بصیرت رکھنے والا) تھا کہ ایک مرتبہ نظامِ حیدر آباد کے سفیر کی موجودگی میں اُس نے حسبِ معمول "ح" کو گھیرے (bracket) کے ساتھ لکھ دیا۔ یہی اُس کے ہر دستاویز پر دستخط تھے۔ اِس پر سفیر مسکرایا۔ حیدر علی نے اُس کی مسکراہٹ دیکھ لی اور کہا۔

"تونے خدا کی بخشش کا مذاق اُڑایا ہے تونے یہ خیال کیا کہ دیکھو، یہ اَن پڑھ ہے مگر سلطنت کا مالک ہے۔ جان لے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مملکت عطا کرتا ہے۔ جہاں تک میرے اَن پڑھ ہونے کا تعلق ہے تو اِس میں خِفّت (شرمندہ ہونے) کی بھلا کون سی بات ہے؟ میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ بھی تواُمّی تھے۔"

حیدر علی اَن پڑھ ہونے کی باوجود بیرونی حکمرانوں کے ساتھ اپنی خط و کتابت خود لکھایا کرتا تھا۔ میسور میں تعینات (مقرر شدہ) جرمَن کمشنر ڈاکٹر سوارٹس لکھتا ہے کہ حیدر علی بَیک وقت دس دس سیکریٹریوں کو مختلف موضوعات پر عبارت لکھاتا۔ خطوط مکمل ہونے کے بعد سیکرٹریوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنی اپنی تحریریں چھوڑ کر چلے جائیں اور اُس کے بعد اپنے ایک نہایت ہی معتبر مِیر منشی کو بُلا کر وہ خُطوط باری باری پڑھواتا۔ جو کچھ اُس نے لکھایا ہوتا اُس سے اگر سر مو (ذرا سا بھی) فرق ہوتا تو سیکرٹری سے باز پُرس (سختی سے وضاحت طلب) کرتا۔

ہر چھٹا اَمیر معزول یا مقتول: علامہ کمال الدین دَمیری رحمۃاللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "حیٰوۃ الحیوان" میں اسلامی تاریخ کا ایک عَجیب لطیفہ تحریر فرمایاہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ہر چھٹا اَمیر معزول یا مقتول ہوا ہے۔ پھر اُسے ثابت کرنے کے لئے صدیوں تک کی مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ خلافت کی ترتیب حسب ذیل رہی ہے۔

(۱) مسلمانوں کے سب سے پہلے اَمیر رسول اکرم ﷺ تھے۔ (۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد چھٹے خلیفہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ تھے۔ چُنانچہ وہ معزول ہوئے ہیں۔ پھر خُلَفاء کی ترتیب اِس طرح رہی ہے۔

فائِدہ: خلافت سے مراد مُطلق جانشینی ہے۔ اچھی ہو یا بری نہ (کہ) وہ خلافت جو شیعوں نے سمجھ رکھی ہے۔ تفصیل المطولات میں ہے۔

(۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (۲) یزید بن معاویہ (۳) معاویہ بن یزید (۴) مروان بن حکم (۵) عبدالملک بن مروان (۶) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ یہ چھٹے اَمیر تھے اور قتل کئے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بعد خُلَفاء کی ترتیب اِس طرح رہی کہ

(۱) ولید بن عبدالملک (۲) سلیمان بن عبدالملک (۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ (۴) یزید بن عبدالملک (۵) ہشام بن عبدالملک (۶) ولید بن یزید بن عبدالملک یہ چھٹا اَمیر تھا، چُنانچہ اُسے معزول کیا گیا، کیونکہ یہ بڑا فاسق و فاجر تھا۔

اِس کے بعد خُلَفاء کی ترتیب اِس طرح رہی کہ

(۱)یزید بن ولید بن عبدالملک(۲)ابراہیم بن ولید(۳)مروان بن محمد،اُس کے بعد خلافت بنوامیہ ختم ہوگئی اُن کے لئے مندرجہ بالاتار یخی اُصول کا عمل ظاہر نہ ہوسکا، کیونکہ ولید بن یزید کے بعد صِرف تین خُلَفاء ہوئے اور خلافت بنوعباس قائم ہوئی۔اُس میں بھی یہ اصول اپنا عمل دکھاتا ہے۔

خلافت عباسیہ: انکی ترتیب حسب ذیل ہے۔(۱)سفاح(۲)ابو جعفر منصور(۳)محمد مہدی(۴)موسیٰ الہادی(۵)ہارون الرشید(۶)محمد امین بن ہارون الرشید یہ چھٹا خلیفہ تھالٰہذا امامون رشید کے ہاتھوں معزول اور مقتول ہوا۔اُس کے بعد ترتیب اِس طرح رہی:

(۱)مامون الرشید(۲)ابراہیم المعتصم(۳)واثق باللہ(۴)جعفر المتوکل(۵)محمد المنتصر باللہ(۶)احمد المستعین باللہ یہ چھٹا تھالٰہذا معزول اور مقتول ہوا۔

اِس کے بعد حسب ذیل خُلَفاء آئے:

(۱)محمد المعتز باللہ(۲)جعفر المہتدی باللہ(۳)احمد المعتمد علی اللہ(۴)احمد المعتضد باللہ(۵)علی المکتفی باللہ(۶)جعفر المقتدر باللہ۔یہ چھٹا ہے چُنانچہ اُسے دومرتبہ معزول کیا گیا اس کے بعد مندرجہ ذیل اُمراء آئے:

(۱)عبداللہ بن معتز المرتضیٰ باللہ(۲)محمد القاصر باللہ(۳)احمد الراضی باللہ(۴)ابراہیم المتقی باللہ(۵)عبداللہ المتکفی باللہ(۶)ابوالفضل المطیع اللہ۔یہ چھٹا ہے چُنانچہ معزول ہوا۔اس کے بعد ترتیب اس طرح ہے:

(۱)احمد القادر باللہ(۲)عبداللہ القائم بامر اللہ(۳)المقتدی بامر اللہ(۴)مستظہر باللہ(۵)مسترشد اللہ(۶)جعفر الراشد باللہ۔یہ چھٹا ہے چُنانچہ معزول ہوا۔پھر ترتیب یوں ہے:

(۱)المقتفی لامر اللہ(۲)مستنجد باللہ(۳)مستفنی بنور اللہ(۴)الناصر الدین اللہ(۵)الظاہر بامر اللہ(۶)مستعصم باللہ یہ چھٹا ہے لٰہذا معزول اور مقتول ہوا۔پھر ترتیب اس طرح رہی:

(۱)مستنصر باللہ(۲)حاکم بامر اللہ(۳)مستکفی باللہ(۴)حاکم بامر اللہ بن المستکفی باللہ(۵)معتضد بامر اللہ(۶)معتضد علی اللہ ان کے بعد خلافت عباسیہ چھ خلفاء تک نہیں چل سکی۔

فاطمی خلفاء: علامہ دمیری رحمۃاللہ علیہ نے مصر کے فاطمی خُلَفاء میں بھی یہی اصول بیان کیا ہے۔ان کی ترتیب یہ ہے۔(۱)مہد(۲)قائم(۳)منصور(۴)معز(۵)عزیز(۶)حاکم یہ اپنی بہن کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

پھر(۱)ظاہر(۲)مستنصر(۳)مستعلی(۴)آمر(۵)حافظ(۶)ظافر یہ چھٹے تھے اور معزول ہوئے۔

پھر(۱)فائز(۲)عاضد یہاں یہ خلافت بھی ختم ہوگئی۔

ایوبی خلفاء: ایوبی خلفاء میں بھی یہ اصول عمل دکھاتا رہا ہے۔ان کی ترتیب حسب ذیل ہے(۱)صلاح الدین ایوبی(۲)عزیز(۳)افضل(۴)العادل الکبیر(۵)کامل(۶)العاالصغیر دل یہ چھٹے تھے چُنانچہ معزول ہوئے۔آگے چھ خلفاء تک تعداد نہیں پہونچ سکی۔

ترکی خلفاء: علامہ دمیری رحمۃاللہ علیہ نے ترکی خلفاء میں بھی یہ اصول ثابت کیا ہے۔[48] (حیوۃ الحیوان ص۹۴ تا۹۶)

پاگل بادشاہ: جب مصر پر ہارون الرشید کی حکومت قائم ہوگئی تو اُس نے کہا کہ میں اُس سرکش اِنسان (فرعون) کے برعکس، جس نے صِرف ملکِ مصر کی بادشاہت پانے کے بعد خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا میں یہ اپنے ایک ادنیٰ ترین غلام کو دوں گا چُنانچہ اُس نے اپنے خَصیب نامی غلام کو ملک مصر دیا۔ کہتے ہیں کہ اُس کی عقل اور سمجھ بوجھ اِتنی تھی کہ ایک دفعہ مصر کے کاشتکاروں کی ایک جماعت نے خَصیب سے شکایت کی کہ ہم نے دریائے نیل کے کنارے کپاس بوئی تھی لیکن بے موسم بارش سے تباہ ہوگئی ہے۔ تو اُس نے کہا کہ تمہیں کپاس کے بجائے اون بونی چاہیئے تھی تاکہ وہ تباہ نہ ہوتی ایک بزرگ نے یہ بات سنی تو کہا۔

اگر روزی بدا نش برفزودے * زنا داں تنگ ترروزی نبودے

ناداں آں چناں روزی رساند * کہ دانا اندرا ں حیرا ں بما ند

اگر روزی عقل کی وجہ سے بڑھتی تو بے وقوف سے بڑھ کر کوئی تنگدست نہ ہوتا، بے وقوف کو وہ اِس طرح روزی پہنچاتا ہے کہ دانا اُس میں حیران رہ جاتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بخت (قسمت) اور دولت ہنر مندی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ تو محض آسمانی ہی ہوتی ہے۔ (بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ) کیمیا گر (کیمیادان) رنج (غم) میں غصہ سے مرگیا اور بے وقوف نے خزانہ پالیا۔ دنیا میں یہ بہت مرتبہ ہوا ہے کہ بے تمیز صاحبِ مرتبہ اور عقل مند ذلیل۔[49]

(گلستان شیخ سعدی قدس سرہ)

پاگل: مولانا رومی نے لکھا ہے کہ لوگ ایک میت کو قبرستان کی طرف لے جارہے تھے اور اُس میت کی ماں ساتھ ساتھ روتی اور یہ کہتی ہوئی چلی جارہی تھی، بیٹا! تم وہاں چلے جہاں نہ کوئی میز نہ کرسی، تم وہاں چلے جہاں نہ کوئی چٹائی نہ چارپائی، بیٹا تم وہاں چلے جہاں نہ بتّی نہ دِیا۔

ایک غریب آدمی اور اُس کا بیٹا پاس سے گزرے تو اُس غریب کے بیٹے نے یہ باتیں سنیں تو اپنے ابا سے کہنے لگا"ابا جان! جلدی گھر چل کر دروازہ بند کر لیجئے، یہ میت ہمارے ہی گھر جارہی ہے کیونکہ اِس کی ماں جو نقشہ بیان کر رہی ہے وہ سب نقشہ ہمارے ہی گھر کا ہے۔

فائِدہ: ماں کی مراد تو یہ تھی کہ بیٹا تم قبر میں جارہے ہو، جہاں نہ میز ہے نہ کرسی، نہ چٹائی نہ چارپائی اور نہ بتی ہے نہ دیا مگر غریب کے بیٹے نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ہمارے گھر جارہے ہیں کیونکہ ماں کا بیان کردہ نقشہ سب ہمارے گھر سے ملتا جلتا ہے، ہمارے ہی گھر میں میز ہے نہ کرسی، نہ چٹائی نہ چارپائی، نہ بتّی نہ دیا۔

نواب سعد اللّٰہ خان: ایک دفعہ شاہِ ایران نے مُغل بادشاہ شاہ جہاں کو ایک خط تحریر کیا جس میں یہ دریافت کیا گیا تھا کہ شاہ جہاں تو بادشاہ صِرف ہندوستان کا ہے لیکن خود کو شہنشاہ کیوں قرار دیا ہے۔ اِس پر شاہ جہاں نے مختلف درباری وزیروں سے جواب لکھنے کو کہا لیکن کسی کا جواب بھی شاہ جہاں کو پسند نہیں آیا۔ آخر اُس زمانہ کے رواج کے مطابق عام اِعلان کر دیا گیا کہ جو شخص چاہے دربارِ شاہی میں حاضر ہو کر اپنے جواب سے بادشاہ کو آگاہ کر سکتا ہے۔ اُسے

---

[48] (حياة الحيوان. ج 1. ص 22. الى 152 دار الكتب العلمية. بيروت. الطبعة: الثانية. 1424 هـ)

[49] (گلستان شیخ سعدی. حکایت مظومہ. حکایت نمبر 39. ص 77. مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ)

انعام سے بھی نوازا جائے گا۔ لہٰذا سعد اللہ خان نے بھی قسمت آزمانے کے لئے دربار میں حاضر ہو کر شاہِ ایران کے دعویٰ کا یہ جواب تحریر کیا کہ شہنشاہ اور شاہ جہاں اور ہند کے اعداد ایک ہی ہیں لہٰذا شاہ جہاں شہنشاہِ ہند کہلانے کے مستحق ہیں۔

بادشاہ بڑا خوش ہوا اور بادشاہ نے سعد اللہ خان کو اپنے شاہی مرغ خانہ کا انچارج بنادیا۔ تو سعد اللہ خاں نے مرغیوں کی خوراک پر جو ہزاروں روپیہ سالانہ خرچ ہوتا تھا۔ اُسے بچانے کے لئے شاہی باورچی خانہ میں کھانے تیار کرنے کے لئے جو دیگیں استعمال ہوتی تھیں اور اُن کے منہ پر جو آٹا دم دینے کے لئے استعمال ہوتا تھا اُسے ضائع کرنے کی بجائے مرغیوں کی خوراک کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ یوں ہزاروں روپیہ کی شاہی خزانہ کو سالانہ بچت ہو گئی۔ جب شاہجہاں کو اِس بات کا علم ہوا تو وہ بہت خوش ہوا اور سعد اللہ خان کو شاہی لائبریری کا انچارج بنادیا تو سعد اللہ خان نے پہلی بار شاہی لائبریری کو حروف ابجد کے حساب سے ترتیب دے کر لائبریری کا ایک نیا نظام رائج کر دیا۔ اِس نظام سے چند سیکنڈ کے اندر ہی اپنی مطلوبہ کتاب مل جاتی تھی یہ نظام آج تک جدید دنیا میں بھی چلا آرہا ہے۔ اُس کی پے درپے اعلیٰ خدمات کی بدولت سعد اللہ خان وزیر کے درجہ پر پہنچ گیا جسکی مزید تفصیل آتی ہے۔[50]

تعارُف نواب سعد اللہ خاں مرحوم: جھنگ کے نزدیک ایک گاؤں پتراکی میں ایک غریب کسان ماں باپ کے ہاں پیدا ہوئے۔ خدا نے بلا کی ذہانت اور قابلیت بخشی تھی۔ تحصیلِ علم ہی کے دوران شہرت پائی اور اُنہیں مغل دربار دہلی میں طلب کر لیا گیا۔ شاہ جہاں نے اُنہیں شاہی لائبریری کا ناظم مقرر کر دیا۔ اُن کی صلاحیت سے خوش ہو کر اُنہیں شاہی مَطبخ (باورچی خانہ) کا اعلیٰ منصرِم (ناظمِ اعلیٰ) بنادیا اور پھر اُن کی مزید شاندار خدمات سے خوش ہو کر انہیں فَوج کا جرنیل بنادیا اور دس ہزاری کا منصب دے دیا یعنی دس ہزار فَوج کی نفری کا کمانڈر بنادیا۔

ایک دن شہنشاہ فَوج کی پریڈ (صف بندی) دیکھنے گئے اور چاق و چوبند فَوج اور اُس کے پریڈ (صف بندی) کے بعد اُس کے عسکری (لشکری) اور حربی مظاہروں (فوجی صف بندی) سے اِتنے خوش ہوئے کہ سعد اللہ خاں کو زور سے آواز دے کر بلایا، سعد اللہ خاں اور شہنشاہ کے درمیان کوئی ڈیڑھ گز چوڑا برساتی نالہ تھا۔ سعد اللہ خان نے شہنشاہ کے سامنے حاضر ہو کر سر جھکا کر دیا۔ شہنشاہ اِس قدر خوش ہوئے کہ اُنہیں وہیں ترقی دے کر افَواج کا سپہ سالار (کمانڈرانچیف) مقرر کر دیا۔ نواب سعد اللہ خاں نے تعظیم سے سر جھکا کر شہنشاہ کا شکریہ ادا کیا اور پھر اباؤٹ ٹرن (یوٹرن) ہو کر جب اپنے دستے کی طرف جانے لگے تو حکم ہوا نالے پر تختہ رکھ کر اُن کے لئے پل بنایا جائے۔ درباریوں میں سعد اللہ خاں کے کچھ حاسد بھی موجود تھے اُنہوں نے جھٹ شاہجہاں کے کان بھرے کہ دیکھئے حُضور اُس شخص میں کتنا غرور اور تکبُّر ہے کہ محض دس ہزاری فَوج کا افسر تھا تو حُضور کی آواز پر نالہ چھلانگ سے پھاند کر آیا اور اب حُضور نے افَواج کا سپہ سالار بنادیا ہے۔ تو نالے پر عارضی پُل قائم کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

شہنشاہ نے سعد اللہ خاں کو پکارا، جواب طلب کیا کہ معمولی جرنیل کی حیثیت سے وہ نالہ پھاند کر حاضر ہوا تھا اور سپہ سالار بن جانے کے بعد نالے پر پُل بنانے کا حکم دے رہا ہے اِس کے کیا معنی ہیں؟

---

[50] (کتاب نما''، نئی دہلی، فروری 2001 شمارا)

جواب ملا، اے جہاں پناہ! حُضور کی پہلی آواز پر میں نے جب اُس نالے کو ایک چھلانگ میں پار کیا تھا تو میرے کندھوں پر صِرف دس ہزاری فَوج کی ذمہ داری کا بوجھ تھا اور حُضور کی بندہ نوازی سے سپہ سالار بننے کے بعد میرے کندھوں پر اِتنا بھاری بوجھ پڑ گیا کہ اب میں اِتنی لمبی چھلانگ نہیں لگا سکتا۔ شہنشاہ عش عش کر اُٹھے۔ حاسد درباریوں کے چہرے اُتر گئے اور نواب سعداللہ خاں جلدی وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر مامور کر دیئے گئے۔

اورنگ زیب: اورنگ زیب عالمگیر رحمۃاللہ علیہ مجدد الف ثانی کا پیرو (تابع) تھا اور ڈاکٹر اقبال رحمۃاللہ علیہ کی رائے میں اُس کی شخصیت اور پالیسی برِصغیر میں اسلامی قومیت کی نشوونما کا نقطہ آغاز تھی۔ اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی تمام غیر شرعی رُسوم حکماً بند کرا دیں۔ ویدانت زدہ تصوف کے پرچارکوں (سچے تصوف کی تبلیغ) اور متحدہ قومیت کے علمبرداروں سے اُس کا تَصادُم (اختلاف) لازمی تھا۔ اِسی اختلاف کے نتیجے میں سرمد قتل ہوا۔

سرمد یہودی سے مسلمان ہوا تھا اور ایرانی عُلَما و فُضَلا سے فلسفہ و حکمت کی تکمیل کے بعد تجارت کی غرض سے ہندوستان آیا۔ بدقسمتی سے وہ ٹھٹھہ کے ایک ہندو بچے ابھے چند کے عشق میں دیوانہ ہو گیا اور عقل و ہوش کے علاوہ دین و ایمان بھی لٹا بیٹھا۔ شاہجہان آباد پہنچا تو دارا کی مصاحبت نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ ضعیف الاعتقاد (کمزور اعتقاد والے) لوگ اُس کے جذب و مستی اور برہنگی کو ولایت سے تعبیر کرنے لگے۔ شاہجہان کو خبر پہنچی تو اُس نے تحقیقِ احوال کے لئے عنایت خاں آشنا کو بھیجا۔ اُس نے واپس آکر سرمد کے متعلق رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

کشفے کہ ظاہر است ازو کشف عورت است

ترجمہ: برہنہ سرمد کے متعلق کرامات دکھانے کا دعویٰ محض تہمت یعنی جھوٹا ہے۔ اُس کا کشف تو ایک عام عورت کا کشف ہے۔

اِن حالات میں اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ وہ ایسی بے قاعدگی اور غیر شرعی حرکات کیسی برداشت کر سکتا تھا؟ اُس نے ملّا عبدالقوی کے ذریعے سرمد کو کپڑے پہننے کی تلقین کی لیکن بے سود (بے فائدہ)۔

سرمد کے اِس شعر پر بھی اعتراض ہوا کہ اُس سے معراج کا انکار ثابت ہوتا ہے۔

ملا گوید کہ برفلک شد احمد (ﷺ) سرمد گوید فلک نہ احمد شد

ترجمہ: ملا کہتا ہے کہ احمد مجتبیٰ ﷺ آسمانوں پر گئے۔ سرمد کہتا ہے کہ نو آسمان احمد ﷺ میں سما گئے۔

آخر کار شہنشاہ نے اُسے دربار میں طلب کر کے اُس سے کلمہ پڑھوایا۔ سرمد نے کلمہ صِرف لا الہ تک پڑھا۔ یہ کلمہ نفی ہے۔ عُلَماء سے رائے لی گئی تو اُنہوں نے کہا کہ فقط لا الہ کہنا کلمہ کفر ہے۔ سرمد اگر توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ واجب القتل ہے۔ سرمد نے توبہ نہ کی۔ چُنانچہ اورنگ زیب اُسے قتل کروا دینے پر مجبور ہو گیا۔[51]

[51] (حیاتِ سرمد، ابو الکلام آزاد، صفحہ 19، مطبوعہ حمیدیہ کتب خانہ)

حکیم اجمل خاں دہلوی **کی حِکمت**: امروز لاہور کی ہفت روزہ اشاعت مورخہ ۱۲ اگست ۹۶ء صفحہ ۷ میں "زندہ انسانوں کو مردہ سمجھ کر دفن کر دیا جاتا ہے"۔ کے عنوان سے حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کا ایک واقعہ لکھا ہے جو یہ ہے:

مسیح الملک اجمل خان ایک روز اپنے مطب (دواخانہ) میں بیٹھے تھے اُنہیں یہ خبر پہنچی کہ آپ کے محلے کا قصّاب جو کئی روز سے بیمار تھا۔ آج فَوت ہو چکا ہے۔ اجمل خاں نے مسکراتے ہوئے اپنے ملازم کو فرمایا کہ یہ قصّاب زندہ ہے، اُس کے گھر جا کر کہہ دو کہ ماتم اور گریہ زاری بند کر دیں۔ میں ابھی دوائی لے کر پہنچ رہا ہوں چُنانچہ تھوڑی دیر کے بعد مسیح الملک قصّاب کے گھر پہنچے اور اُس کے منہ میں چند قطرے دوائی ٹپکا کر اُسے اوندھا ڈال دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس کے منہ سے زرد رنگ کا پانی بہنا شروع ہوا اور بعد میں گہرے سیاہ رنگ کا کثیر مواد اُس کے منہ سے خارج ہوا اور ناک کے نتھنوں سے سیاہ رنگ کے خون کا سیلاب شروع ہو گیا۔ دس پندرہ منٹ کے بعد مریض سانس لینے لگا اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ کہاں ہائے ہائے اور کہاں واہ واہ۔ محفلِ ماتم خوشیوں میں تبدیل ہو گئی۔

مسیح الملک نے فرمایا: یہ بدبخت قصّاب موٹا ہونے کے باعث پیشاب و پاخانہ کرتے وقت احتیاط نہیں کرتا تھا۔ پیشاب کے قطرے اُس کے پاؤں اور پنڈلیوں پر اکثر گرتے تھے۔ در حقیقت اِس مرض کی سب سے بڑی وجہ پیشاب کے قطرات کا جسم پر گرنا ہے۔ مسیح الملک نے فرمایا کہ ایسے لوگ ہمیشہ اُس مرض کا شکار ہو کر زندہ در گور کر دیئے جاتے ہیں لیکن بند قبر سے چھٹکارا ملنا انتہائی دشوار ہوتا ہے۔

اختیار: ایک شخص ایک باغ میں گُھس کر مالک کے سامنے ہی انگور توڑ کر کھانے لگا۔ مالک نے کہا: میاں یہ کیا حرکت ہے نہ اجازت لی نہ قیمت دی اور میرے باغ میں لگے تُصرّف کرنے۔ وہ کہنے لگا پس خاموش رہو، باغ خدا کا، پھل بھی خدا کا اور جو کرتا ہے وہ کرتا بھی خدا ہی ہے، پھر میرا اِس میں کون سا قُصور ہے مالک باغ بڑا ہوشیار تھا۔ اُس نے اپنے غلام کو آواز دی کہ ایک رسّی اور ایک ڈنڈا لانا۔ غرض دونوں نے مل کر اُس چور کو رسّی میں باندھ لیا اور ڈنڈا چلانا شروع کیا۔ اب چور لگا چِلاّنے مالکِ باغ نے کہا کہ رسّا بھی خدا کا، ڈنڈا بھی خدا کا، میں بھی خدا کا، تو بھی خدا کا اور جو کرتا ہے، کرتا بھی خدا ہی ہے پھر تو چِلاتا کیوں ہے۔ چور کی سمجھ میں مسئلہ آ گیا اور کہنے لگا۔

گفت توبہ کردم از جبر اے عیار * اختیا راست اختیا را ست اختیار۔

سبق: برے کام کا فاعل بندہ خود ہے اور وہ اپنے اختیار سے اِرتکابِ جرم کرتا ہے لہٰذا وہ سزا کا مستوجب (مستحق) ہے۔

تین سوالوں کا ایک ھی جواب: ایک فلسفی نے ایک مجذوب بزرگ سے سوال کیا کہ کیوں سائیں جی! خدا جب نظر نہیں آتا تو پھر تم لوگ "اشھد" کہہ کر اُس کی گواہی کیوں دیتے ہو؟ اور جب ہر کام اللہ ہی کرتا ہے تو پھر بندہ مجرم کیوں ہے؟ اور قرآن میں جو شیطان کو آگ سے بنا ہوا بتایا گیا ہے اگر یہ صحیح ہے پھر شیطان کو دوزخ میں ڈالنے سے اُس کا کیا بگڑے گا۔ آگ، آگ کو تکلیف کیسے دے سکتی ہے۔ سائیں صاحب نے اِن تینوں سوالات کے جواب میں ایک مٹی کا ڈھیلا اُٹھایا اور کھینچ کر اُس فلسفی کے سر پر دے مارا۔ فلسفی کا سر پھٹ گیا اور وہ سیدھا عدالت میں گیا اور سائیں پر مقدّمہ دائر کر دیا۔ سائیں صاحب عدالت میں بلائے گئے اور قاضی صاحب نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ نے اِس کو ڈھیلا کیوں مارا؟ تو وہ بولے یہ اُس کے تینوں سوالات کا ایک ہی جواب تھا۔ قاضی نے پوچھا یہ جواب کیسے ہوا! تو سائیں صاحب بولے اِس فلسفی سے پوچھئے کہ ڈھیلا لگنے سے کیا تمہیں تکلیف ہوئی؟ فلسفی جھٹ بولا یقیناً ہوئی اور سخت ہوئی۔

سائیں صاحب نے پوچھا مگر وہ تکلیف تمہیں نظر بھی آئی؟ فلسفی نے کہا: نظر نہیں آئی مگر محسوس تو ہوئی۔ سائیں صاحب نے کہا: بس یہ تمہارے پہلے سوال کا جواب تھا کہ خدا نظر نہیں آتا مگر معلوم تو ہے۔ دوسرے سوال کا جواب اِس طرح ہے کہ جو کرتا ہے خدا تو پھر مجھ پر دعویٰ کیوں دائر کر دیا؟ ڈھیلا بھی اُسی نے مارا ہے، اُس سے پوچھو۔ تیسرے سوال کا جواب اِس طرح ہے کہ یہ فلسفی بھی مٹی کا بنا ہوا ہے اور ڈھیلا بھی مٹی ہی کا تھا تو جس طرح مٹی نے مٹی کو تکلیف پہنچائی اور مجروح (زخمی) کر دیا ہے اِسی طرح آگ بھی آگ کو تکلیف دے سکے گی۔ فلسفی جھٹ بول پڑا کہ تینوں مسئلے میری سمجھ میں آ گئے اور میں اپنا دعویٰ واپس لیتا ہوں۔ [52]

فائدہ: ثابت ہوا کہ عقل بعض اَوقات گمراہی کا باعث بھی بن جاتی ہے اِس لئے اُس پر اعتماد نہ چاہیئے۔

جوابِ باصواب: حضرت امام ابن الجوزی رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا کہ

ایک خاتون جس کی شکل وصورت اچھی نہ تھی ایک عطّار کی دوکان پہ آئی تو اُس نے حقارت سے کہا: **وإِ ذا الوُ حو شُ حُشِرَت** اِس آیت سے اُس کے وَحشی ہونے کا اشارہ کیا۔ اُس خاتون نے فوراً پڑھا **وضَر بَ لَنا مثلاً ونَسِي خَلقَه** ہمارے لئے مثال تو بتاتے ہیں لیکن خود اپنی خَلق وصورت کو بھول جاتے ہیں۔ شاید وہ عطّار بھی صورت وشکل کے لحاظ سے صحیح نہ ہوگا۔ [53] (الاذکیاء)

فائدہ: اِسے کہتے ہیں جوابِ باصواب (واللہ تعالیٰ اعلم)

ایک حساب دان بڑھیا: ایک بڑھیا نے ایک بَنیئے سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ اپنا کچھ روپیہ تجارت میں لگاؤں مگر اِس بارہ میں مجھے ذرا بھی تجربہ نہیں اگر تم مجھے اپنے تجربہ سے فائدہ پہنچاسکو تو بڑی مہربانی ہوگی۔ بَنیئے نے جواب دیا کہ تجارت کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ اگر اصل رقم نہ لی جائے تو ہر چھ ماہ کے بعد وہ دوگنی ہو جاتی ہے۔ بڑھیا نے پوچھا تمہاری تجارت اِس قسم کی ہے۔؟ بَنیئے نے جواب دیا واقعی میرا کاروبار اِسی قسم کا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ میں جو روپیہ لگاتا ہوں وہ ششماہی کے بعد دوگنا ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے تھوڑے عرصہ میں تین مکان بنالئے۔ دو لڑکیوں کا بیاہ کرلیا ہے اور میرا باپ جو قرض چھوڑ مرا تھا۔ وہ بھی سب بے باق (ادا) کر دیا ہے۔ یہ سُن کر بڑھیا نے اپنے دوپٹہ کے آنچل سے ایک اَدھنی (ایک پیسہ) کھولی اور بَنیئے (دوکان دار) کے ہاتھ میں دیکر بولی: لو تم میری یہ اَدھنی (ایک پیسہ) تجارت میں لگالینا۔ جب میں آؤں گی۔ اپنا حساب کرکے جو کچھ نکلتا ہوگا لے لوں گی۔ بڑھیا کی بات سن کر بنیا حیران ہوگیا مگر رحم دل آدمی تھا اُس نے بڑھیا کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا اور اُس کی اَدھنی (ایک پیسہ) اپنے حساب میں جمع کرلی۔

بارہ سال گزر گئے، بنیا بڑھیا کی ادھنی کا واقعہ قریب قریب بھول گیا تھا، یکایک بڑھیا نے آکر کہا حساب کردو، بَنیا ہَکّا بَکّا (حیران وپریشان) رہ گیا، اُس نے بہتیرا (بہت زیادہ) یاد کیا مگر یاد نہ آیا کہ اُس بڑھیا کو کیا دینا ہے، جب اُس نے ساری کہانی سُنائی تب بَنیا مان گیا کہ میں نے اپنے کاروبار میں تیری اَدھنی (ایک پیسہ) لگا رکھی ہے اور میں نے تجھ سے اقرار کیا تھا کہ تیری اَدھنی (ایک پیسہ) ہر ششماہی (۶ مہینے) کے بعد دوگنی ہوتی جائے گی۔

---

[52] (منتخب شاعری اور حکایات، روزنامہ دنیا، 2019۔04۔14)

[53] (الاذکیاء، الباب العشرون، من فلج علي خصمه، 1/136، مطبوعہ مکتبۃ الغزالی)

اُس نے کہا بھئی میرا حساب کر دے اتنی عمر ہو گئی ہے، کون جانے کب دم نکلے، بَنئیے نے دو روپے نکال کر بڑھیا کے حوالے کئے اور کہا لے جا یہ تیری آدھی(ایک پیسہ) ہے مگر بڑھیا نے شور مچادیا کہ اَرے بَنئیے کچھ خدا کا خوف کر کیوں ظلم پر کمر باندھی ہے جو مجھ غریب عورت کا روپیہ دبانا چاہتا ہے۔

یہ سُن کر آس پاس کے تمام دوکاندار جمع ہو گئے اور بولے کیوں کیا بات ہے، بڑھیا نے سارا واقعہ اُن کو واضح طور بیان کر دیا اور کہا یہ بنیا میرا حساب نہیں کرتا اور مجھے صِرف دو روپے دیکر ٹالتا ہے مگر میں چاہتی ہوں کہ میرا پائی پائی حساب ہو اور جو کچھ اِس کے ذمہ واجب ادا ہے پورے کا پورا دلا یا جائے۔ایک دوکاندار نے بَنئیے سے کہا بڑھیا تو ٹھیک کہتی ہے تو حساب کیوں نہیں کرتا، بَنئیے نے کہا تو ہی قلم دوات لے کر بیٹھ جا اُسے حساب کر دے۔

بارہ سال کی چوبیس(۲۴)ششماہیاں ہوتی ہیں اِس لئے اِس بڑھیا کی ادھنی چوبیس دفعہ دگنی ہو جائے گی، بڑھیا بیٹا زندہ رہے، یہی تو میں چاہتی تھی بس بیٹھ کر حساب کر دو، حساب ہونے لگا، بڑھیا کی ادھنی بارہ سال کی ششماہی میں اِس طرح بڑھتی گئی، پہلی ششماہی میں ایک آنہ، دوسری ششماہی میں دو آنے، تیسری ششماہی میں چار آنے، چوتھی ششماہی میں آٹھ آنے، پانچویں ششماہی میں ایک روپیہ، چھٹی ششماہی میں دو روپے، ساتویں ششماہی میں چار روپے، آٹھویں ششماہی میں آٹھ روپے، نویں ششماہی میں ۱۶ روپے، دسویں ششماہی میں ۳۲ روپے گیارھویں ششماہی میں ۶۴ روپے، بارہویں ششماہی میں ۱۲۸ روپے، تیرھویں ششماہی میں ۲۵۶ روپے، چودھویں ششماہی میں ۵۱۲ روپے، پندرھویں ششماہی میں ۱۰۲۴ روپے، سولہویں ششماہی میں ۲۰۴۸ روپے، سترہویں ششماہی میں ۴۰۹۶ روپے، اٹھارہویں ششماہی میں ۸۱۹۲ روپے، انیسویں ششماہی میں ۱۶۳۸۴ روپے، بیسویں ششماہی میں ۳۲۷۶۸ روپے، اکیسویں ششماہی میں ۶۵۵۲۶ روپے، بائیسویں ششماہی میں ۱۳۱۰۷۲ روپے، تیئسویں ششماہی میں ۲۶۲۱۴۴ روپے، چوبیسویں ششماہی میں ۵۲۴۲۸۸ روپے۔پس بڑھیا کو ایک اَدھنی(ایک پیسہ) کے بدلے میں پانچ لاکھ چوبیس ہزار دو سو اٹھاسی(۵۲۴۲۸۸) روپے ملے۔

عَجیب کمرہ: عہدِ(زمانہ) جہانگیری میں حکیم جیلانی نے جو "قانونِ شیخ الرئیس" کا مشہور شارِح اور دربارِ اکبری کا شاہی طبیب گزرا ہے آگرہ میں پانی کا ایک حوض(تالاب) تیار کرایا تھا۔ حوض(تالاب) کے نیچے ایک کمرہ بنایا گیا تھا جس میں دس بارہ(۱۰،۱۲) آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی کمرہ نہایت روشن، اور ہوا دار تھا، کمرہ میں جانے کے لئے حوض(تالاب) کی تہ میں زینہ(سیڑھی) تھا، زینہ(سیڑھی) کے ذریعے کمرہ میں جاتے تھے، جس کے دالان(برآمدہ) میں خشک کپڑے رکھے ہوتے تھے، کمرے میں جانے والا بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر خشک کپڑے پہن لیتا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ کمرہ میں پانی کا گذر ہوتا تھا مگر کپڑوں تک پانی کا اثر نہیں پہنچتا تھا ۱۰۱۶ھ میں جہانگیر نے اُس کمرہ کے دیکھنے کی خواہش کی اور حسبِ قاعدہ حوض(تالاب) میں اتر کر مع مصاحِبوں کے(ساتھیوں کے ساتھ) اُس نادرروزگار(انوکھے) کمرہ کی سیر کی اور حکیم کو دوہزاری مَنصب(اعلیٰ فوجی عہدہ) سے سرفراز کیا۔

پالتو شیر: جہانگیر کے سامنے ۱۰۱۷ھ میں ایک شخص نے ایک شیر پیش کیا جس کو بچپن سے پَرَوَرِش کیا(پالا) تھا اور اِس طرح ہو گیا تھا کہ آدمی پر حملہ نہ کرتا تھا۔ جہانگیر نے حکم دیا کہ شیر کو آہنی(لوہے کے) پنجرے سے نکال کر میدان میں چھوڑ دیں اور تین، چار(۳،۴) محافظ اُس کی نگرانی کرتے رہیں چُنانچہ شیر کو چھوڑ دیا گیا، اِس طرح جہانگیر نے کچھ اور بھی شیر کے بچے پَرَوَرِش کرنے(پالنے) کے بعد قلعۂ(محل) آگرہ کے سامنے جَمنا کے میدان میں روزانہ بغیر قید و زنجیر کے آزاد چھوڑ رکھے تھے اور احتیاطاً ہر ایک شیر پر دو دو نگران متعین رہتے تھے مگر کبھی کسی شیر نے کسی شخص کو نُقصان نہیں پہنچایا۔ مُصَنّفِ "اقبال نامہ جہانگیری" نے چودہ(۱۴) شیر اِس طرح پر کُھلے ہوئے میدان میں پھرتے ہوئے دیکھ کر حیرت کا اِظہار کیا ہے۔

عَجیب وَصِیّت: ایک شخص نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وَصِیّت کی جن کی تعداد تین(۳) تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرے جو ۱۷ گھوڑے ہیں وہ آپس میں اِس طرح تقسیم کریں کہ بڑے لڑکے کو آدھے اور مَنْجھلے (بیچ والے) کو آدھے کے دو تہائی اور سب سے چھوٹے لڑکے کو مَنْجھلے (بیچ والے) لڑکے کے تہائی دیئے جائیں۔ باپ تو یہ وَصِیّت کر کے مر گیا لیکن لڑکے مشکل میں پڑ گئے اور بہت پریشان ہوئے آخر مُحَلّے کے قابل اور بااَثر آدمیوں کو جمع کیا گیا اور صورتِ حال اُن کے سامنے پیش کی گئی لیکن وہ اِس وَصِیّت کو حل کرنے میں ناکام رہے بِالآخر یہ بات قاضی کے پاس پہنچ گئی۔ قاضی صاحب نے تمام گھوڑے منگوائے اور اُن کی گنتی کی تو وہ سترہ تھے قاضی نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاؤ میرے اِصطَبل (گھوڑا خانہ) سے میرا گھوڑا نکال لاؤ۔ جب قاضی کا گھوڑا آیا تو گھوڑوں کی مجموعی تعداد اٹھارہ ۱۸ ہو گئی تب قاضی نے بڑے لڑکے کو آدھے یعنی ۹ دیئے اور مَنْجھلے (بیچ والے) کو بڑے لڑکے سے دو تہائی یعنی چھ (۶) دیئے اور سب سے چھوٹے کو مَنْجھلے (بیچ والے) کے تہائی یعنی دو ۲ دیئے اور حکم دیا کہ میرے گھوڑے کو اِصطَبل (گھوڑا خانہ) پہنچا دو۔ اِس طرح جو گھوڑے لڑکوں میں تقسیم کئے گئے اُن کی تعداد سترہ تھی۔ یہ مسئلہ قاضی نے بڑی آسانی سے حل کر دیا اور لڑکے خوشی خوشی گھوڑے لے کر گھر روانہ ہو گئے۔ [54]

دِل کا پردہ: ایک مولوی نے ایک بے حجاب خاتون سے فرمایا: بی بی بے حجاب مت پھرا کرو۔ بے حجاب خاتون بولی: مولوی صاحب! پردہ دل کا چاہیئے، یہ پردہ ہو یا نہ ہو ایک ہی بات ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا: تو پھر قمیض ساڑھی کی بھی کیا ضرورت ہے، قمیض دل کی چاہیئے، یہ قمیض ہو یا نہ ہو ایک ہی بات ہے، ساڑھی بھی دل کی چاہیئے یہ ساڑھی ہو یا نہ ہو ایک ہی بات ہے۔

نَیچری و سُنّی: نیچری بے دین نے ایک مولوی صاحب سے کہا: کیوں مولوی جی یہ فرقہ بندیاں آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی تھیں؟ مولوی صاحب نے جواب دیا بلکہ آدم علیہ السلام کے وقت بھی تھیں۔ نیچری نے کہا وہ کیسے؟ مولوی صاحب نے فرمایا: ایک طرف جماعتِ ملائکہ تھی اور دوسری طرف شیطان تھا۔ نیچری بولا: مگر اُس وقت اِتنا شور نہ تھا جتنا اب ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا: اُس وقت شیطان تنہا تھا اور اب آپ جیسے سینکڑوں اُس کے ساتھی پیدا ہو گئے ہیں۔

سُرخُرو: ظَہیر فاریابی قِزِل ارسلان بادشاہ کے مِدحَت گروں (تعریف کرنے والوں) میں سے تھا اور داڑھی کو مہندی لگاتا تھا، ایک دن بادشاہ نے اُس سے کہا کہ اپنی سُرخ (لال) داڑھی کے واسطے کوئی فی البدیہہ (بے ساختہ) اَشعار کہو، جن کا آخری شعر حسنِ طلب پر مبنی ہو، اُس نے فی البدیہہ (بے ساختہ) یہ شعر کہے۔

واعظے برفرازِ منبر گفت ! * کہ چو پیدا شود سرائے نہفت

ریش ہائے سیاہ روزِ امید * باشد اندر پناہ ریش سفید

بازریش سفید را ازگناہ * بخشد ایزد برریش ہائے سیاہ

مرد کہ سرخ ریش حاضر بود *دست درریش زد چو ایں بشنید

گفت ما خود دریں شما رنہ ایم *دردوگیتی ہیچ کارنہ ایم

---

[54] (روزنامہ دنیا. اٹھارواں گھوڑا۔ 2014۔ 04۔ 08۔)

بندہ آں سرخروئے مظلوم است *کہ ز انعامِ شاہ محروم است

یعنی ایک واعِظ نے مِنْبَر پر کہا کہ قیامت کے دن سیاہ داڑھیاں سفید داڑھیوں کی پناہ میں ہوں گی اور سفید داڑھیوں کے گناہ خدا سیاہ داڑھیوں کے باعث بخش دے گا۔ مجلس میں ایک سُرخ داڑھی والا بھی بیٹھا تھا، وہ اٹھا اور بولا: تو پھر ہم (سُرخ داڑھی والے) تو اُس شمار میں نہ آئے اور دو جہاں میں کسی کام نہ آئے۔ (تواے بادشاہ!) میں بھی وہ سُرخرو ہوں، جو تیرے اِنعام سے محروم ہوں۔ (خیابانِ تفریح)

اَمانت واپس: ایک شخص نے ایک دکان دار کو ایک ہزار روپیہ اَمانت رکھنے کو دیا۔ ایک سال کے بعد جب اُس نے دکان دار سے اپنی امانت طلب کی تو وہ دکان دار بے ایمان ہو گیا اور کہنے لگا میں نے کوئی روپیہ امانت نہیں رکھا، وہ شخص فریاد لے کر سیدھا خلیفہ کے پاس پہنچا اور سارا قِصّہ سنایا، خلیفہ نے کہا: جاؤ تم کل فلاں وقت اُس دکان پر بیٹھے رہنا۔ یہ حکم دے کر اُسے واپس کر دیا۔ وہ شخص دوسرے دن اُس دکان دار کی دکان پر وقت معین پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ کی سواری وہاں سے گزری اور خلیفہ اپنے گھوڑے سے اتر کر سیدھا اُس دکان پر آیا اور اُس فریادی شخص سے بغل گیر ہو کر ملا اور کہنے لگا: واہ صاحب واہ، آپ نے تو ہمیں بُھلا ہی دیا کتنے روز ہو گئے آپ محل میں نہیں آئے، سب شہزادے آپ کو یاد کرتے ہیں، میرا اپنا دل بھی اداس تھا، دیکھو آج شام کو محل میں ضرور آنا ہے اور کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھانا۔

دکان دار یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ خدا خیر کرے یہ شخص تو بادشاہ کا کوئی خاص عزیز ہے اُس نے اگر میری خیانت کا ماجرا بادشاہ سے کہہ دیا تو میرا بُرا حشر ہو گا۔ خلیفہ تھوڑی دیر کے بعد جب چلا گیا تو دکان دار خود ہی کہنے لگا بھئی تمہاری امانت مجھے یاد آ گئی، ٹھہرو میں ابھی لاتا ہوں چُنانچہ گھر گیا اور ہزار روپیہ لا کر اس کے حوالے کر دیا۔

عُلَماء کا دشمن: ایک بادشاہ کا وزیر عُلَماء کا بڑا دشمن تھا، بادشاہ سے ملنے ایک مولوی صاحب آئے تو بادشاہ نے وزیر سے کہا: وزیر صاحب آپ ہر روز عُلَماء کے خلاف تقریر کیا کرتے ہیں آج میں امتحان لیتا ہوں کہ تم دونوں میں سے قابل کون ہے؟ لو پہلے تم بتاؤ کہ یہ میرا جو نہانے کا حوض (تلاب) ہے اِس میں کتنے ڈول پانی آتا ہے۔ وزیر بولا حُضور! اِس کا جواب تو اُسی صورت ممکن ہے کہ حوض (تلاب) کو پہلے خالی کر لیا جائے اور پھر اِس میں ڈول سے پانی ڈالا جائے بھر جانے کے بعد پتہ چل سکتا ہے کہ اِس میں کتنے ڈول پانی آتا ہے۔ بادشاہ نے پھر یہی سوال مولوی صاحب سے کیا، مولوی صاحب بولے جناب پہلے ڈول کا اندازہ بھی تو ہونا ضروری ہے اگر ڈول اُس حوض (تلاب) کے برابر ہو تو اُس میں صِرف ایک ڈول پانی آئے گا اگر ڈول حوض (تلاب) کے نصف کے برابر ہو تو چار ڈول پانی آئے گا اور اگر آٹھویں حصے کے برابر ہو تو آٹھ ڈول پانی آئے گا اِسی طرح حساب کر لیجئے بادشاہ یہ سن کر بڑا خوش ہوا اور وزیر صاحب بڑے شرمندہ ہوئے۔

قُدرت کے کرشمے: پانی کے ایک قطرے میں جو خورد بین (Microscope) سے دیکھا جائے بے شمار جانور معلوم ہوتے ہیں۔ ایک مُحاسِب (تجزیہ کار) نے ۳۶ ہزار جانوروں کا تَخْمینہ (اندازہ) ایک قطرے پانی میں کیا، یہ جانور ایک قسم کے نہیں ہیں، مختلف اَقسام کے ہیں، اِس قطرے کے بڑے جانور چھوٹے جانوروں کو کھاتے ہیں جیسے سمندر یا دریا میں چھوٹے جانور بڑے جانوروں کو کھاتے ہیں جیسے سمندر یا دریا میں چھوٹے جانور بڑے جانوروں کی غذا ہیں۔ اِسی

طرح ریت کے چھوٹے ذرّے کا حال ہے اور اگر کائی[55] (گھانس پھونس) کے نہایت چھوٹے ریزے (Spores) کو دیکھا جائے تو اُس میں صدہا (سینکڑوں) قسم کی روئیدگی (Germination) نظر آتی ہے، جو ایک دوسرے سے مُغایَرت (تفاوت) رکھتی ہے پھر وہ روئیدگی (Germination) جانوروں سے بھری ہوئی ہے، جن کی آپس میں ایک دوسرے سے شکل نہیں ملتی۔ گویا وہ قطرہ بمنزلہ سمندر کے اور وہ ریت کا ذرّہ بمنزلۂ پہاڑ کے اور وہ کائی کا چھوٹا سا ذرّہ بمنزلہ ایک سبزہ زار جنگل کے ہے، جس میں ہزار ہا قسم کے جانور ہیں۔ یہ حالت کُرّہٗ زمین (زمین کی تہ) کے ذرّہ سے لے کر پہاڑ تک اور قطرہ سے لے کر بحرِ مُحیط (وسیع سمندر) تک اور کائی کے ریزہ سے لے کر وسیع میدانِ سبزہ زار تک کی ہے پھر اِسی پر خیال کرنا چاہیئے کہ خالقِ کائنات جَلّ شانہ نے اِس خلاءِ وسیع (Vast space) میں کروڑوں پدّموں[56] اور کھربوں کیا کیا عجائِب و غرائِب پیدا فرمائے ہوں گے۔

اَجسامِ نامیہ (مادیہ) کے بے شمار اَجناس ہیں اور ایک جنس کے بہت سے اَنواع ہیں اور ہر نوع کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم کے بہت سے اَفراد ہیں۔ جن میں سے ہر ایک فرد میں بھی داخلہ (اندر سے) و خارجاً (باہر سے) جانور موجود ہیں۔ وہ فرد اُن جانوروں کے لئے بمنزلہ کُرّہٗ زمین (زمین کی تہ) کے ہیں اور بڑی حیرت اُس وقت ہوتی ہے جب اُن کے اندرونی و بیرونی جانوروں کے فروتریں (اعلیٰ قسم کے) جانور میں بھی بے تعداد (بے شمار) اندرونی و بیرونی جانور موجود پائے جاتے ہیں اُس کی بدیہی (واضح) مثال یہ ہے کہ آدمی وغیرہ بڑی قسم کے حیوانات کے پیٹ میں کیڑے پڑ جاتے ہیں وہ کئی قسم کے ہوتے ہیں، اُن میں سے جو لمبے ہوتے ہیں اُنہیں حیّات کہتے ہیں اور پھر اُن حیّات کے اندر بھی بے شمار کیڑے ہوتے ہیں۔ پھر اِسی طرح نباتات کی جڑوں، پیڑوں، ٹہنیوں، ڈالیوں، پتّوں، پھولوں، پھلوں کو دیکھتے جاؤ۔ جانور اُن میں بھی پیدا ہوتے ہیں اور اُن کو کھاتے ہیں پھر اپنے انڈوں اور بچّوں کی کثرت سے کھانے کے سوا بگاڑ دیتے ہیں۔ جس سے وہ درخت مر جاتا ہے اور بعض کیڑے کسی جانور میں پیدا ہوتے ہیں اور کسی دوسرے جانور میں جا کر بڑھتے ہیں۔ زخموں میں بھی بہت سے کیڑے ہو جاتے ہیں یہ چھوٹے کیڑے جن کو مقروبی کہا جاتا ہے ہر شیئ (چیز) میں اندر اور باہر موجود ہیں۔ علاوہ اِنسانوں کے حیوانات میں بھی بہت سے ہیں۔ جانوروں کے دماغ میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ جِلد کے اندر بکثرت ہوتے ہیں اُن میں سے بعض بڑھ کر بڑے ہو جاتے ہیں۔

کھیتوں کو کیڑے برباد کر دیتے ہیں یہاں تک کہ شہتیر (لکڑی کے سُتون) اور پتھر کو کھا جاتے ہیں۔ مقروبی کیڑا قد میں بے حد چھوٹا ہوتا ہے یعنی چھوٹی چیونٹی کے قد میں ایک لاکھ سے زیادہ سما جاتے ہیں اور باوجود اِتنا چھوٹا ہونے کے اپنے تمام اَعضاء رکھتا ہے اور اُس کی رگوں میں دورانِ خون عام حیوانات کی طرح ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! غور کیجئے کہ جن اَجزاءِ صِغار (چھوٹے اجزاء) سے اُن کے اَعضاء مرکّب (ملتے) ہیں وہ کس حد تک چھوٹے ہوں گے۔ اَجسامِ نامیہ کا گلنا، سڑنا، بُسنا اُنہیں مقروبیوں کی کثرت سے ہوتا ہے اور اُن کا تَوالد (پیدا ہونا) و تَناسُل (نَسلیں) ایسی حالت میں اِس کثرت سے ہوتا ہے کہ ایک ساعَت (لمحہ) میں لاکھوں، کروڑوں پیدا ہو جاتے ہیں۔ مقروبی کائنات میں علاوہ اَجسامِ نامیہ کے کثرت کے ساتھ پانی، زمین، ہوا، گرد و غُبار سب جگہ اور سب چیزوں میں موجود ہیں۔ تَنَفُّس

55) کائی ایک سادہ قسم کی غیر پھول دار سبز پودا ہے جو عموماً نم اور سایہ دار جگہوں پر اگتی ہے۔ یہ طحالب (algae) اور فنگس کے درمیان ایک درمیانی مخلوق کی طرح ہوتی ہے.

56) ریاضی) اکائی کے بعد سے شمار کریں تو سولہویں نمبر پر آنے والا عدد؛ (شاستر) دس کھرب (اکائی سے چودھویں نمبر پر) کے برابر.

یاما کولات(طعام) ومشروبات(پینے کی چیزوں) کے ساتھ مسلمات [57] کی راہ سے حیوانات کے جسم کے اندر چلے جاتے ہیں۔ حیوانات میں جِلد کے باہر جو کیڑے محسوس ہوتے ہیں، مِن جُملہ(اُن تمام سے)اُن کے جوئیں(Lices) بھی ہیں اور جوئیں(Lices)حیوانات کی مختلف ہیں۔چُنانچہ بھینس، گائے، اُونٹ اور مرغوں ان کے بچوں اور دوسرے حیوانات کی طرح بطرح کی ہوتی ہیں۔

کسی کا مذاق نہ اڑاؤ: کسائی اور امام یزیدی ایک مرتبہ ہارون رشید کے یہاں جمع ہوگئے۔ دونوں علمِ قرأت کے امام ہیں۔ نماز کا وقت آیا تو امام کسائی نے نماز پڑھائی سورہ قل یا ایھا الکافرون پڑھنی شروع کی، اُسی کو بھول گئے، نماز کے بعد امام یزیدی نے کہا(مقام عبرت ہے کہ) کوفہ کے قاری کو قل یا ایھا الکافرون ہی میں بند لگ گیا یعنی غلطی ہوگئی۔

بات آئی گئی ہوگئی۔اِتّفاق سے ایک دن امام یزیدی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو سورۂ فاتحہ ہی بھول گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد اُنہیں اپنی غلطی پر افسوس ہوا تو ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ ہے۔"تم اپنی زبان بند رکھو ایسی بات کہنے سے جس میں تم خود مبتلا ہو جاؤ۔بے شک بہت سی مصیبتیں اِنسان کی اپنی بات سے ہوتی ہیں۔" [58]

تَبصِرہ اویسی غفرلہ: فقیر اویسی غفرلہ کا تجربہ ہے کہ جب کوئی کسی کا عیب دیکھ کر اُس کا مذاق اڑاتا ہے تو ایک دن اُس عیب میں خود بھی گرفتار ہو جاتا ہے(الاماشاءاللہ)اِسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے۔

اے ہنسنے والے مجھے ہنس ہنس کر نہ دیکھو   کبھی خدا تمہیں مجھ سا نہ بنادے

عَجیب بیوی: مُطّلِب بن محمد مکّہ کے مشہور قاضی تھے، اُن کی دو بیویوں میں ایک بیوی ایسی بھی تھی کہ جس کے چار شوہر مر چکے تھے جب قاضی صاحب شدید بیمار پڑے اور اُن کے بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تو اُس بیوی نے اِس طرح رونا پیٹنا شروع کر دیا کہ اَہلِ محلّہ دور تک اُس کی آوازیں سنتے تھے۔ قاضی صاحب اپنی تکلیف کے باوُجود بیوی اس کی گریہ وزاری کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے اور زبان سے کچھ نہ کہتے۔آخر ایک دن اُس نے اپنا گریبان پھاڑ ڈالا اور چیخ کر بولی مجھے زندگی بسر کرنے کے لئے کس کے پاس چھوڑے جاتے ہو؟

چھٹے بد نَصیب کے پاس۔ قاضی صاحب کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی ورنہ کوئی جواب دیتے۔

جھگڑالو بیوی: حکیم سقراط اپنے زمانہ کا بہترین فلاسفَر اور عظیم اِنسان تھا۔اُس نے جان بوجھ کر ایک جھگڑالو اور تُند(سخت) مزاج عورت سے شادی کرلی تھی تاکہ حکیم کی ذات میں غصہ اور کینہ نہ رہے۔ایک دفعہ حسبِ عادت اُس کی بیوی نے لڑائی جھگڑا کیا اور حکیم سقراط کو سخت بُرا کہا اور پھر پانی کی بھری بالٹی

---

57)مسامات، مسام کی جمع ہے، جو جلد کی چھوٹی چھوٹی سوراخوں یا درزوں کو ظاہر کرتا ہے۔

58) (الكفاية الكبرى في القراءات العشر، مقدمة المؤلف، ص49، دار الكتب العلمية، بيروت، 2007م)

حکیم کے سر پر اُنڈیل(اُلٹ) دی۔اِس ساری کارروائی کے بعد حکیم سقراط نے کمالِ تَحَمُّل سے صِرف اتنا جواب دیا کہ کیا گرجنے کے بعد برسنا بھی ضروری تھا۔[59]

حاتِم کی سَخاوت:ایک شخص حاتم کی بستی میں گیالیکن رات زیادہ ہو جانے کی وجہ سے کسی اور کا مہمان ہو گیا۔ صبح جب وہ رُخصت ہوا تو راستے میں اُس کی حاتم سے ملاقات ہوگئی، وہ حاتم کا نام تو سن چکا تھا لیکن پہچانتا نہیں تھا، حاتم نے اُسے اپنی بستی کی طرف سے آتا دیکھا تو پوچھا: کیا تم نے رات اُسی بستی میں گزاری تھی؟ مسافر نے جواب دیا: میں بنوطے میں ٹھہرا تھا! حاتم نے پوچھا رات کس کے مہمان رہے؟ اُس نے جواب دیا: حاتم کے! حاتم نے پوچھا: اُس نے رات تمہیں کیا کھلایا؟ مسافر نے جواب دیا: اُس نے میرے لئے اپنا نہایت قیمتی اور پلا ہوا اُونٹ ذبح کر دیا اور اپنا سارا وقت میری **خِدمَت** میں گزار دیا۔ حاتم نے ہنس کر کہا: حاتم تو میں ہوں، تم نے رات میرے ہاں تو نہیں گزاری پھر تم جھوٹ کیوں بول رہے تھے؟ مسافر تھوڑی دیر تک حاتم کو دیکھتا رہا پھر بولا حاتم! میں کہیں بھی جاؤں جب یہ کہوں گا کہ میں حاتم کی بستی میں گیا تھا لیکن مہمان کسی اور شخص کا ہوا تھا تو لوگ میری بات پر یقین نہیں کریں گے۔ اِس لئے میں نے خود کو سچّا ثابت کرنے اور اپنی عزت بچانے کے لئے یہ جھوٹ اختیار کیا ہے۔!

حکیم سقراط:آپ کو زہر کا پیالہ دیا جانے لگا تو آپ کا شاگرد رونے لگا۔ آپ نے وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ آپ بے گناہ مارے جا رہے ہیں۔ سقراط نے کہا تو کیا تیرا خیال ہے کہ میں گناہ پر مارا جاؤں۔

حافِظ شیرازی رحمۃ اللّٰہ علیہ:حضرت حافظ شیرازی کا مشہور شعر ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بد ست آ رددل مارا * بخا ل ہندوش بخشم سمر قند و بخا را را[60]

ترجمہ:شیراز میں تیمور نے اُنہیں اِس حالت میں دیکھا کہ لنگی باندھے سردی سے کانپ رہے ہیں، تیمور نے بڑھ کر پوچھا۔

"حافظ صاحب! یہ شعر آپ ہی کا ہے تو کیا اِسی برتے(طرزِ عمل) پر آپ سمر قند و بخارا کی بخشش کیا کرتے تھے۔ فرمایا: بخشش ہی نے تو یہ حال کر دیا ہے۔[61]

حجاج ظالم لاجواب ہوگیا:ماہِ رمضان میں حَجاج کہیں جا رہا تھا اور بے روزہ تھا۔ دوپہر کا کھانا آیا تو کہا اگر کوئی مسافر یہاں موجود ہے تو اُسے بلالاؤ، اُس کے ملازم ایک بُدّو کو پکڑ کر لے آئے۔ حجاج نے اُسے کھانے کی دعوت دی تو وہ کہنے لگا کہ میں آج اللہ کی دعوت سے لطف اندوز ہو رہا ہوں یعنی اُس نے مجھے روزہ رکھنے کی دعوت دی اور میں نے قبول کرلی۔

حجاج:لیکن آج کا دن تو سخت گرم ہے۔

---

[59] (روزنامہ دنیا، بیویوں کی قسمیں، دسمبر 12۔ 2012)

60) دیوان حافظ، صفحہ 30، مطبوعہ موسسۃ انتشارات اسلامی لاہور۔

61) روزنامہ دنیا، 9 فروری۔ 2016

بدو:اتنا گرم نہیں جتنا یومِ محشر۔

حجاج: تم آج افطار کر کے عید کے بعد گنتی پوری کر سکتے ہو۔

بدو: کیا آپ ضمانت دے سکتے ہیں کہ میں عید کے بعد جیتا رہوں گا۔

حجاج:اللہ تمہیں سلامت رکھے تمہاری لاعلمی میرے علم سے ہزار درجے بہتر ہے۔

واہ! برمکی:یحییٰ بن خالد برمکی ہارون الرشید کا وزیرِ اَعظم تھا۔ایک مرتبہ ایک گورنر نے اُسے خط لکھا کہ یہاں ایک مسافر تاجر فَوت ہو گیا ہے اور پیچھے بے اندازہ دولت ،ایک چھوٹا سا بچّہ اور ایک حسین کنیز(لونڈی) چھوڑ گیا ہے۔میری رائے میں اِن تمام اَشیاء(چیزوں) کی مستحق آپ کی ذات گرامی ہے۔یحییٰ نے جواب میں لکھا:اللہ تعالیٰ مرنے والے پر رحم کرے،مال میں برکت ڈالے،بچّے کو آغوشِ شفقت میں لے،کنیز کو اپنی حفاظت میں رکھے اور تم پر ہزار لعنت بھیجے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللّٰہ عنہ کا تقویٰ:نِصف(آدھی) رات بیت(گزر) چکی تھی،حضرت عمر بن عبد العزیز بیت المال میں بیٹھے سرکاری حساب کتاب میں مصروف تھے،چراغ کی لو جھلملا رہی تھی۔اِسی عالم میں ایک شخص نے اندر آنے کی اِجازت طلب کی،آپ نے اُسے بلا لیا اور پوچھا"کوئی کام ہے مجھ سے ؟"اُس شخص نے جواب دیا"اَمیر المومنین !مجھے اپنے گھریلو مسائل پر آپ سے چند باتیں کرنی ہیں!حضرت عمر بن عبد العزیز نے پھونک مار کر چراغ بجھا دیا اور نو وارِد(نئے آنے والے) سے کہا:ہاں،اب بتاؤ تمہیں کون سی باتیں کرنا ہے؟نو وارِد(نئے آنے والے) نے حیرت سے پوچھا لیکن آپ نے یہ چراغ کیوں بجھا دیا؟آپ نے جواب دیا:چراغ کا تیل بیت المال کا ہے اور اُسے میں غیر سرکاری باتوں میں اِستعمال نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بد دیانتی ہے۔[62]

سلطان محمود مدینہ پاک میں فقیرانہ لباس میں:سلطان محمود غَزنَوِی جب مدینہ منورہ گئے تو بڑے سادہ سے فقیرانہ کپڑے زیبِ تن کئے اور کاندھے پر پانی کی مشک رکھ کر مخلوقِ خدا کو پانی پلانا شروع کر دیا،کسی شخص نے پہچان کر کہا آپ تو بادشاہِ ہندوستان ہیں اور آپ نے فقیروں جیسا لباس پہنا ہے۔سلطان محمود نے جواب دیا: بادشاہ تو میں ہندوستان میں ہوں یہاں تو رسولِ عربی ﷺ کے دربارِ گوہر بار میں شہنشاہ بھی فقیر ہوتے ہیں۔یہ ایمان افروز جواب سن کر وہ شخص آگے بڑھ گیا تو دیکھا کہ مصر کا بادشاہ بڑے شاہانہ انداز میں شاہی لباس پہن کر رُعَب و دَبدَبہ میں چلا آرہا ہے۔اُس شخص نے مصر کے بادشاہ سے کہا: تمہاری یہ ہمت کیسے ہوئی کہ حُضورِ پاک ﷺ کے در پر حاضری اور زبردست شاہی شان و شوکت کے ساتھ تو مصر کے بادشاہ نے بڑا غیرتِ ایمانی سے لبریز جواب دیا کہ اے سوال کرنے والے یہ تاج اور مصر کی بادشاہی مجھے آقائے دو عالم ﷺ کے طُفیل(صدقے سے) ہی عطا ہوئی ہے۔اِس لئے میں اپنے آقا ﷺ کے دربار میں شاہی لباس پہن کر حاضر ہوا ہوں کہ آقا ﷺ اپنے غلام کی شان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔وہ شخص دونوں بادشاہوں کی حسنِ نیت کی داد دیتا ہوا چلا گیا۔[63]

---

[62] (موارد الظمآن لدروس الزمان، بنات عمر لا یجدن عشاء إلا بصلا، 4/ 95، الثلاثون، 1424ھ)

[63] (بارا تقریریں، ماہ رجب کی تقریریں، 1/ 171، مطبوعہ فاروقیہ جامع مسجد دہلیس)

مَکڑی کاتانا: عراق کا گورنر یوسف بن عمر ثقفی بڑا ظالم حکمران تھا۔اُس نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بغاوت کے جرم میں بالکل ننگے بدن پھانسی دے دی۔خدا کی قدرت کہ ایک مکڑی نے فوراً آپ کی شرمگاہ پر جالا بُن دیا جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کسی کو ننگے نظر نہ آئے۔[64] مکڑی ایک حقیر سا جانور ہے مگر اُس کے شاندار کارناموں میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام پر اُس وقت جالا بن کر چھپالیا جب جالوت بادشاہ آپ کو قتل کرنے کیلئے تلاش کر رہا تھا۔اِسی طرح نبی اکرم ﷺ ہجرت کے وقت غارِ ثور میں تشریف لے گئے تو غارِ ثور کے منہ پر جالا بُن کر آپ ﷺ کو کفارِ مکہ کی نظروں سے بچالیا۔

چشم پوشی: ایک دفعہ ہارون الرشید کے دربار میں حاضرین کی تواضع (مہمان نوازی) شربت سے کی جارہی تھی۔جام سونے کے تھے۔ایک درباری نے چپکے سے ایک جام اپنی آستین میں چھپالیا۔اتفاقاً خلیفہ نے اُسے دیکھ لیا۔جب محفل برخاست (ختم) ہونے لگی تو ساقی (پلانے والے) نے آواز دی کہ کوئی درباری باہر نہ جائے کیونکہ ایک جام گم ہو گیا ہے۔خلیفہ نے کہا کہ سب کو جانے دو کیونکہ جس نے چُرایا ہے وہ مانے گا نہیں اور جس نے دیکھا ہے وہ بتائے گا نہیں۔

حق گوئی (کہنا) **و حق شنوئی** (سننا)**:** مولانا محمد ترنم صاحب نے جوشِ خطابت میں تقریر کرتے ہوئے کہا نماز میں ایک طرف بندہ کھڑا ہوتا ہے اور دوسری طرف اللہ کھڑا ہوتا ہے۔یہ فقرے (جملے) سنتے ہی محدّث اَعظم پاکستان فوراً بولے، مولانا توبہ کیجئے خدا کھڑے ہونے سے پاک ہے مولانا غلام محمد ترنم نے فوراً ہی جواب دیا حضرت میں صدق دل سے توبہ کرتا ہوں۔آپ نے کمالِ شفقت سے فرمایا یہ خدا تعالیٰ کا معاملہ ہے میں حق تعالیٰ کی شان کے مُنافی فقرے (جملے) نہیں سُن سکتا۔

فائدہ: اکابِر میں حق گوئی (کہنا) اور حق شُنوئی (سننا) انسانی ترقی کا موجب (سبب) سمجھا جاتا تھا دورِ حاضرہ میں حق گوئی (کہنا) تو آسان ہے لیکن حق شنوئی (سننا) گوارہ نہیں حالانکہ اُسی میں بھلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق گوئی و حق شنوئی کی دولت سے نوازے۔(آمین)

بھینگا: مثنوی شریف میں ایک بھینگے کا قِصّہ لکھا ہے کہ ایک ماسٹر نے اپنے ایک بھینگے شاگرد سے کہا کہ جاؤ گھر کے طاق (چھوٹی الماری) میں ایک آئینہ رکھا ہے وہ لے آؤ۔بھینگا شاگرد گھر گیا اور واپس آکر کہنے لگا: جناب! وہاں تو دو آئینے ہیں، میں کون سا آئینہ لاؤں۔

بات یہ ہوئی کہ چونکہ بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں اِس لئے اُسے ایک آئینے کے دو آئینے نظر آئے اور آکر ماسٹر سے پوچھنے لگا کہ میں کون سا آئینہ لاؤں؟

ماسٹر صاحب نے کہا کہ میاں! وہاں آئینہ تو ایک ہی ہے۔بھینگے نے جواب دیا: نہیں صاحب ایک نہیں بلکہ دو ہیں، میں نے خود دیکھے ہیں۔میں کیسے مان لوں کہ آئینہ ایک ہے۔ماسٹر صاحب نے کہا اچھا جاؤ، ایک آئینہ توڑ دو اور دوسرا لے آؤ۔بھینگا گیا اور اُس نے ایک آئینہ کو توڑا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ

---

[64] (شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ,باب هجرة المصطفى واصحابه إلى المدينة ,2/126 ,دار الكتب العلمية ,2012م)

دوسرا بھی ٹوٹ گیا ہے، واپس آکر یہ واقعہ ماسٹر صاحب سے بیان کیا، تو اُنہوں نے کہا: بیوقوف آئینہ تھا ہی ایک تجھے اپنی نظر کے قُصور سے ایک کے دو نظر آئے۔[65]

یہ قصّہ منکرینِ حدیث کے مطابق ہے۔ نئی روشنی نے اُن لوگوں کو بھینگا کرکے رکھ دیا ہے اور اُن کو ایک کے دو نظر آنے لگے ہیں چُنانچہ سب جانتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن ایک ہے اور اسلام ایک ہے۔ مگر اِن لوگوں کو "دو قرآن" اور "دو اسلام" نظر آنے لگے ہیں اور اِس نام کی اُنہوں نے کتابیں شائع کرکے دوسروں کو بھی یہ منوانے کی کوشش کی ہے کہ قرآن دو ہیں اور اسلام بھی دو ہیں۔ حالانکہ قرآن ایک ہے اور اسلام بھی ایک ہی ہے اور یہ اُن کا اپنا بھینگاپن ہے کہ ایک کے دو دو نظر آنے لگے ہیں۔

انتباہ: اِن لوگوں کی نظر کا اگر یہی عالم رہا تو اگر کسی مقام پر بہت سے منکرینِ حدیث جمع ہوں اور یہ لوگ ایک دوسرے کو اپنی اِس بھینگی نظر سے دیکھنے لگیں تو یقیناً اِن لوگوں کو اِس اپنے ہی اِجتماع میں سب بجائے "دو پائے کے چار پائے" نظر آنے لگیں گے اور اُس وقت قرآن پاک کی اِس آیت کی تفسیر نظر آنے لگے گی کہ اُولئک کالانعام بل ھم اضل۔

بھینگے کا ایک وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی ٹیڑھی نظر سے دیکھتا کسی اور طرف ہے مگر بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے ہماری طرف دیکھ رہا ہے۔ اِسی طرح یہ لوگ دور تک دیکھتے تو یورپ کی ملحدانہ آزادی اور عیاشی کی طرف ہیں مگر ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہی ہیں۔

"مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ" (سورۃ النساء، آیت 80) کے مطابق اطاعتِ رسول ﷺ اطاعتِ حق تعالیٰ ہی ہے۔ جس نے حکمِ رسول ﷺ کو مان لیا اُس نے حکمِ خدا تعالیٰ کو مان لیا مگر بھینگوں کو اِس میں تفریق نظر آئی اور اُنہوں نے حکمِ رسول ﷺ کو حکمِ خدا تعالیٰ سے الگ سمجھا اور اِسی اپنے زعمِ (گمانِ) باطل سے یہ لوگ "حکمِ رسول ﷺ" سے بے نیاز ہوکر "حکمِ رسول ﷺ" کو توڑنے کے درپے ہیں مگر پتہ کل چلے گا، جب یہ راز کھلے گا کہ حکمِ رسول ﷺ توڑنے سے حکمِ خدا تعالیٰ بھی ٹوٹ چکا ہے۔ خدا تعالیٰ اِن بھینگوں کی ٹیڑھی نظر سے محفوظ رکھے۔ آمین

سَتّو کا مُوجِد: سَتّو سب سے پہلے حضرت سیّدنا سکندر رحمۃ اللہ علیہ نے تیار فرمائے۔[66] (الکنز المدفون، صفحہ ۱۵۸)

بی بی حواء (رضی اللہ عنہا) کے بچّے بچیاں: بی بی حواء رضی اللہ عنہا نے چالیس جوڑے (نرومادہ) جنے۔[67] (الکنز المدفون، صفحہ ۱۵۸)

حساب کا دن: ایک بزرگ نے بیٹے سے کہا دن کو جو کام کرو اُس کا شام کو مجھے حساب دو۔ نوجوان کو دِقّت (پریشانی) ہوئی کہ روزانہ حساب بنائے اور پھر بتائے اور ذرّہ ذرّہ کا باپ کو حساب دے۔ کئی دن پریشانی میں گذارے۔ ایک دن باپ سے کہا کہ یہ تجویز میرے لئے سخت ہے مجھے کوئی نصیحت فرمادیں تاکہ میں اُسی

---

65) (مثنوی رومی مع شرحہ مفتاح العلوم ، ج 1 ، ص 161 تا 162 ، مطبوعہ تاجران کتب بیروت)

66) (کتاب الکنز المدفون والفلك المشحون، ص84، المطبعة العامرة، 1871م)

67) (کتاب الکنز المدفون والفلك المشحون، ص84، المطبعة العامرة، 1871م)

کے مطابق کام کروں روزانہ حساب دینا بڑا مشکل ہے۔ باپ نے کہا کہ یہ میں نے تیرے قیامت کے حساب کا منظر دکھایا ہے کہ جب تو اپنے باپ کو حساب نہیں دے سکتا، اللہ احکم الحاکمین عالم الغیب والشہادہ کو کس طرح حساب دے گا۔ فارسی کا قطعہ (اقتباس) ملاحظہ ہو۔

تونمی دانی حساب صبح وشام * پس حساب عمر چوگوئی تمام

زیں عملہائے برنج صواب * نیست جز شرمندگی درحساب

ترجمہ: جب تم صبح وشام کا حساب نہیں جانتے تو پھر زندگی بھر کا حساب کیسے معلوم کر سکو گے۔ اگر عمل اچھے نہیں تو حساب کے وقت شرمندگی کے سوا کچھ نہیں۔

بَہِشتی (جنتی) **جانور:** ہمارا عقیدہ ہے کہ محبوب کی ہر شئی محبوب ہے۔ چُنانچہ ذیل کا حوالہ اِس عقیدہ کی توثیق (تصدیق) کے لئے کافی ہے۔

الاشباہ والنظائر میں مستطرف سے منقول ہے کہ:

ليس من الحيوان من يدخل الجنة إلا خمسة: كلب أصحاب الكهف وكبش إسماعيل، وناقة صالح وحمار عزير، وبراق النبي صلى الله عليه وسلم۔[68]

پانچ یا دس بَہِشتی (جنتی) **جانور:** اوپر والی عبارت سے ثابت ہوا کہ صِرف پانچ جانور بَہِشتی ہیں ★ حُضور نبی اکرم ﷺ کا بُراق ★ حضرت عزیر علٰی نبینا وعلیہ السلام کا دراز گوش ★ حضرات اصحابِ کہف رحمہم اللہ کا کتّا ★ حضرت صالح علیہ السلام کی اُونٹنی ★ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مینڈھا۔

لیکن حموی نے شرح اشباہ میں شرعۃ الاسلام سے مقاتل سے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

قال في شرح شرعة الإسلام قال مقاتل رحمه الله: عشرة من الحيوانات تدخل الجنة: ناقة محمد عليه الصلاة والسلام، وناقة صالح عليه السلام، وعجل إبراهيم عليه السلام، وكبش إسماعيل عليه السلام، وبقرة موسى عليه السلام، وحوت يونس عليه السلام، وحمار عزير عليه السلام، ونملة سليمان عليه السلام، وهدهد بلقيس، وكلب أهل الكهف كلهم يحشرون كذا في مشكاة الأنوار

فائِدہ: اِسی کتاب میں شرح شرعۃ الاسلام سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ سب مینڈھے کی صورت کر دیئے جائیں گے، چُنانچہ حموی میں وذکر فی مشکوٰۃ الانوار شرح شرعۃ الاسلام "أنها كلها تصير على صورة الكبش۔" (شرعۃ الاسلام میں ہے کہ وہی تمام بَہِشتی جانور دُنبہ کی شکل میں ہو جائیں گے)[69]

---

68) (الاشباہ والنظائر. فَائِدَةٌ: فِي الدُّعَاءِ بِرَفْعِ الطَّاعُونِ. 1/331، مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت. الطبعة: الأولى، 1419ھ 1999م)

69) (غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر. 4/131، مطبوعه دار الكتب العلميه بيروت)

فائِدہ: اِس سے جہاں جانوروں کے بَہشتی (جنتی) ہونے کا معلوم ہوا، وہاں ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اَنبیاءِ عظام واَولیائے کرام کی بہت عزت ہے کیونکہ یہ جانور اَزْ خود بَہشت میں نہیں جائیں گے اُنہیں یہ دولت نَصیب ہوئی تو حضراتِ اَنبیاء واَولیاء کے طُفیل۔

فائِدہ: یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مُعاملَہ قیاسی بھی نہیں ورنہ دوسرے اَنبیاءِ کرام کے متعلق اَشیاء بھی ہوں گی اور پھر اَولیاءِ کرام میں سے ہمارے نبی پاک ﷺ کے اَولیاء خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اصحابِ کَہف رحمہم اللہ سے اونچی شان رکھتے ہیں لیکن اُن کی متعلق اَشیاء میں سے کوئی نہیں۔ اِسی لئے قیاس کا دروازہ کھول کر اِن مذکورہ اَشیاء سے اِضافہ نہیں چاہئے ہاں کہیں تَصریح (وضاحت) مل جائے تو الحمد للہ۔

چیونٹی: حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی سے پوچھا ہر سال تو کتنا کھاتی ہے؟ اُس نے کہا صِرف گیہوں کا ایک دانہ آپ علیہ السلام نے اُس کو پکڑ کر ایک شیشی میں قید کیا اور ایک دانہ گیہوں کا ساتھ رکھ دیا۔ جب سال گذر گیا تو آپ نے شیشی کو کھولا اور دیکھا کہ اُس نے آدھا دانہ کھایا ہے اور آدھا باقی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تو نے ایک دانہ پورا کہا تھا کہ کھاتی ہوں پھر تو نے نصف کیوں چھوڑا۔ چیونٹی نے کہا قید ہونے سے قبل میرا بھروسہ اللہ پر تھا اور قید ہونے کے بعد میرا بھروسہ آپ علیہ السلام کے اوپر تھا۔ مجھ کو خطرہ تھا کہ آپ مجھے بھول جائیں گے اِس لئے میں نے دوسرے سال کے لئے آدھا دانہ باقی رکھا۔[70]

فائِدہ: جانوروں سے ہمیں بہت سے اَسباق سکھائے جاتے ہیں لیکن ہم کب ہیں سمجھنے والے۔

حَجرِ اَسوَد کو علمِ غیب: حَجرِ اَسوَد کعبہ کی بغل میں ایک سیاہ پتھر ہے اُس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" واللہ لیبعثنہ اللہ یوم القیامۃ لہ عینان یبصر بھما، ولسان ینطق بہ، یشھد علی من استلمہ بحق" بخُدا اللہ تعالیٰ حَجرِ اَسوَد کو قیامت میں ایسے اُٹھائیگا کہ اُس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھتا ہوگا اور زبان ہوگی جس سے بولتا ہوگا اور (بارگاہِ الٰہی میں) حق کے ساتھ چومنے والوں کی گواہی دے گا۔[71]

(ترمذی، ابن ماجه، دارمی)

تَبصِرہ: حُضور نبی کریم ﷺ کی اِس قولی حدیث سے واضح ہوا کہ حَجرِ اَسوَد کا چُومنا عبادَت ہے۔ قیامت کے دن کام آئے گا۔ کروڑوں مسلمانوں نے اُسے بلا واسطہ یا بالواسطہ چُوما ہے اور قیامت تک لاتعداد مسلمان اُسے چُومیں گے وہ اپنے چُومنے والوں کو قیامت کے دن پہچان لے گا اور بحُضورِ (بارگاہِ) ربُ العالمین اُن کے حق میں شَفاعَت کرے گا۔ حَجرِ اَسوَد اپنے چُومنے والوں کے دل کی کیفیت کو جانتا ہے کہ کون اِخلاص سے اُسے چُوم رہا ہے اور کون نفاق سے۔ حَجرِ اَسوَد کو اپنے چُومنے والوں کے خاتمہ کا علم ہے کہ کون ایمان پر مرے گا اور کون کُفر پر، جبھی تو مومنِ مُخلص کی شَفاعَت کرے گا اور کافر و منافق کی شَفاعَت نہیں کرے گا۔

اِس حدیث کو حاکم نے ذکر کیا، حدیث صحیح ہے۔

[70] (درۃ الناصحین: فی الوعظ والارشاد، 1/258، دار الارقم بن ابی الارقم بیروت/لبنان)

[71] (ترمذی، باب ما جاء فی الحجر الاسود، ص 285، حدیث 961، مطبوعہ شرکۃ المکتبۃ الحلبی)

فائدہ: اِس حدیث کو حضرت علامہ علی قاری نے مرقات میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے اشعة اللمعات میں، ابنِ ہمام نے ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں اور مولانا عبدالحئ لکھنوی رحمۃاللہ علیہم اجمعین نے مزیلة الدرایه لمقدمة الهدایه میں ذکر کیا ہے (بلکہ کتاب الحج کے بیان میں ہر حدیث کی کتاب اور فقہ و فتاویٰ میں یہ حدیث موجود ہے)

فقیر اویسی غفرلہ نے "حَجرِاَسوَد" کی تحقیق و تفصیل میں ایک دلچسپ کتاب لکھی ہے۔ "التحریر العسجد فی تحقیق الحجر الاسود" اُسکے عُلوم کی فَراوانی (کثرت) کے آخر میں مخالفین پر افسوس کر کے لکھا ہے کہ افسوس ہے کہ تم پتھر کو مانتے ہو الحمد للہ ہم اُس پتھر کو بھی مانتے ہیں اور پیغمبر ﷺ کو بھی مانتے ہیں۔

حُضور ﷺ کی رضاعی مائیں:

(۱) حلیمہ سعدیہ۔

(۲) امر اُۃ بن بنی سعد۔ (الطبقات الکبریٰ صفحہ۹)

(۳) خولہ بنت المنذر یعنی ام بردہ الانصاریہ۔ (السیرۃ الحلبیہ، جلد ۱ صفحہ ۸۷)

(۴) ام ایمن برکہ۔ (سبل الھدیٰ البدایہ والنھایۃ، جلد ۲ صفحہ ۲۷۹) السیرۃ النبویہ لابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۲۲۳

(۵) ام فروہ۔[72]

اقبال کا کمال: ڈاکٹر اقبال دورِ طالب علمی میں اسکول سے گھر واپس جارہے تھے پیچھے ایک خارشی کتیا چل پڑی۔ علامہ بے خبری میں رہے یہاں تک کہ گھر پہنچے تو کتیا کو بدستور اپنے پیچھے دیکھا۔ اندر داخل ہوئے والد مرحوم نے فرمایا دو پراٹھے پڑے ہیں ایک تمہارا ہے دوسرا بھائی کے لئے چھوڑ دو۔ علامہ نے اپنے حصّہ کا پراٹھا پیچھے آنے والی کتیا کو ڈال دیا وہ بھوکی تھی۔ کھانے کے بعد منہ آسمان کی طرف اٹھا کر اپنی بولی میں علامہ کو دعا دے کر چلی گئی۔ رات کو خواب میں آپ کے والد گرامی کو حُضور ﷺ نے فرمایا: اے شیخ تمہارے بیٹے اقبال کو نیکی کے صدقے اللہ تعالیٰ نے اُسے علم سے نوازا اور چار دانگ عالم (دنیا بھر) میں شہرت بخشی۔

والد نے نیک عمل کا پوچھا تو اقبال مرحوم نے کتیا والا قصّہ سنا دیا۔ والد نے فرمایا: آپ کو مبارک مجھے خواب میں یونہی کہا گیا ہے۔

(اکتوبر ونومبر ۱۹۸۹ء، روحانی ڈائجسٹ)

---

72) (سبل الهدى والرشاد، الباب الأول في مراضعه صلى الله عليه وسلم، ج1، ص 375 الى 378، دار الكتب العلمية بيروت لبنانالطبعة: الأولى، 1414 هـ 1993 م)

قادری ، سروری یا اُویسی: حضرت سلطان العارفین سیّدنا باہو قدس سرہ نے فرمایا: قادری سروری وہ ہے کہ محض فیض وفضل سے ظاہری وسیلہ کے بغیر نور محمدی ﷺ کی پرَوَرِش سے مجلس سے مشرف ہو اور حُضور ﷺ اُسے ارشاد و تلقین فرما کر اُس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت غوثِ جیلانی کے سپرد فرمائیں اُسی کو اُویسی کہتے ہیں۔(عین الفقر)

پاگل کی کہانی: ایک عالمِ دین وَعظ میں فرمارہے تھے کہ مسلمانو! یادرکھو کہ نماز کے لئے وُضو شرط ہے۔ جب تک وُضو نہیں ہوگا۔ نماز نہیں ہوسکتی، یہ سُن کر مَجْمَع میں سے ایک جاہل کھڑا ہو گیا اور چِلا چِلا کر کہنے لگا کہ مولانا صاحب! آپ کی یہ بات بالکل غلط ہے۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ بلاوُضو کے بھی نماز ہو جاتی ہے، بلاوُضو کے قیام و قعود، اور رکوع و سجود وغیرہ سب کچھ ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وُضو نہ ہو تو پیٹھ اکڑ جائے اور رکوع و سجدہ ہی نہ ہو سکے۔ بلاوُضو کے بھی نماز کے سب اَفعال ادا ہو جاتے ہیں۔ جاہل گنوار کی یہ بے تُکی بات سُن کر سارا مَجْمَع ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا اور مولانا صاحب بھی مسکرا کر یہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ۔

اَحمق (بیو قوف) وں کی کمی نہیں غالب ☆ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں

اُویسی کی کہانی: فقیر نے ایک جلسہ میں تقریر کے دوران مُسَلسَل چند اَحادیث پڑھیں **قال قال رسول الله** (ﷺ) ایک بابا نہایت غصّہ سے بولا کہ اے بے ادب تمہارے اور وہابیوں میں کیا فرق رہا۔ وہ بھی بے ادب اور تم بھی بے ادب۔ میں ہَکّا بَکّا (حیران) ہو گیا کہ ہم غریبوں کا تصور بھی بے ادبی سے کانپتا ہے مجھ سے کون سی بے ادبی سرزد ہو گئی۔ میں نے بابا سے عرض کی حضرت! مجھ سے کون سی بے ادبی ہو گئی۔ کہنے لگا تم حُضور سرورِ عالم ﷺ کو بار بار قال قال کہہ رہے ہو۔ ہمارے حُضور ﷺ کالے نہیں تھے بلکہ چِٹے گورے تھے۔ میں نے بابا کو عشق و محبت کی داد دے کر عرض کی حُضور! یہاں وہ معنٰی نہیں جو جناب نے سمجھ لیا یہاں قال دو نقطے والا قاف سے ہے بمعنی فرمایا۔

اُویسی کا ایک اورواقعہ: ایک جگہ میرا وَعَظ تھا فقیر نے اپنے وَعَظ میں مُتَعَدِّد حوالہ جات میں کہا کہ راوی نے یہ فرمایا، ایک اَحمق (بیو قوف) کھڑا ہو گیا اُس نے کہا حضرت وہ بی بی راوی کون سی فارغ الوقت تھی جو ہر وقت حُضور ﷺ سے باتیں سُن کر ہمیں بتائیں۔ میں اور مَجْمَع میں اہلِ علم حضرات ہنس پڑے۔ میں نے کہا جناب راوی کوئی عورت نہیں راوی حدیث کے روایت کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ اُس نے کہا پھر راوی نہیں راوہ کہو۔ میں نے کہا یک نہ شُد دو شُد۔ دراصل ہمارے علاقوں میں جب اِس اسم کے آخر میں یا ما قبل مکسور آئے اکثر عورتوں کے نام ہوتے ہیں اِسی لئے وہ بیوقوف اپنے عرف کو سامنے رکھ کر مُعْتَرِض (اعتراض کرنے والا) ہوا۔

تالے نام والے: ایک اَعرابی نے چند لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر اُن کے نام پوچھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا میرا نام "وَثِیق" ہے۔ وَثِیق کا معنی ہے باندھنے والا۔ دوسرے نے اپنا نام "مَنِیع" بتایا۔ مَنِیع کا معنی ہے، رُکنے والا، تیسرے نے اپنا نام "ثابت" بتایا۔ چوتھے نے کہا میرا نام ہے "شدید" اَعرابی سُن کر کہنے لگا کہ میں سمجھ گیا۔ تالے تمہارے ہی ناموں سے بنائے جاتے ہیں۔

فائِدہ: یہ نام ہی ایسے ہیں جن سے سوائے تالہ بندی کے اور کوئی مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

مسئلہ: یہی وجہ ہے کہ حُضور سرورِ عالم ﷺ بُرے اسماء بدل کر اچھے نام رکھتے تھے اِس لئے مسمّٰی (ذات) میں اسم (نام) کی تاثیر ضرور ہوتی ہے۔ دردمندانِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ اپنے اور اپنے متعلقین کے اَسماء اچھے منتخب کیا کریں بالخصوص اَسماء میں حُضور نبی پاک ﷺ کے اسم گرامی (محمد ﷺ) کا ہونا نہایت ہی برکت کا موجِب (سبب) ہے۔

سیانی عورت: ایک مرد ایک عورت کے پیچھے چلنے لگا۔ عورت نے سبب پوچھا تو کہا میں تیرا عاشق ہوں۔ عورت نے کہا میرے پیچھے مجھ سے زیادہ حسین عورت آ رہی ہے۔ مرد نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو عورت نے لات مار کر گرا دیا اور کہا کہ تو اگر سچّا عاشق ہوتا تو کبھی مجھ سے نظر ہٹا کر دوسری طرف نہ دیکھتا۔

پنکھا نہ ھلاؤ خود ھلو: ایک بظاہر غریب آدمی کے لئے مشہور تھا کہ اُس کے ہاں بے شمار دولت ہے مگر وہ رہتا غریبوں کی طرح تھا۔ ایک آدمی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اُس نے اتنی دولت کس طرح جمع کی ہے، اُس سے ملنے کے لئے گیا۔ گرمی کی شدّت تھی۔ کمرے میں بجلی کا پنکھا تک نہ تھا، اُس آدمی نے یہ سوال کرنے سے پہلے کہ آپ نے اتنی دولت کس طرح جمع کی ہے، کہا کہ گرمی بہت ہے، آپ کے ہاں دَستی پنکھا تو ہو گا۔ غریب دولت مند نے ایک ٹوٹا پھوٹا ٹرنک (صندوق) کھولا، کپڑے ہٹائے اور ٹرنک (صندوق) کے نیچے سے کھجور کے پتوں کا ایک پنکھا نکال کر مہمان کو دیا۔ مہمان پنکھا ہاتھ میں لے کر ہلانے لگا تو میزبان نے لپک کر اُس سے پنکھا چھین لیا اور کہا: اِس طرح ہلانے سے پنکھا دو (۲) روز میں گِھس جائے گا۔ میں اُسے پچیس (۲۵) برس سے استعمال کر رہا ہوں، ابھی تک پہلے روز کی طرح نیا ہے۔ پنکھا ہاتھ میں پکڑے رکھو۔ مہمان سے کہا: اور خود ہلو۔

پاگل بھی ھے سیانہ بھی: آٹے دال وغیرہ کی دو دکانیں پہلو بہ پہلو تھیں۔ دونوں دکانوں کی آٹے کی کھلی بوریاں دکانوں کے باہر رکھی رہتی تھیں ایک دوکاندار کے ساتھ اُس کا دس سالہ بیٹا بھی دکان پر بیٹھتا تھا۔ باپ نے ایک روز اپنے بیٹے سے کہا کہ جب ساتھ والا دکاندار اِدھر اُدھر ہو تو اُس کی آٹے کی بوری سے آٹا نکال کر اپنی بوری میں ڈال لیا کرو۔ لڑکے نے یہ کاروبار شروع کر دیا۔ ایک روز دوکاندار نے اُسے اپنی بوری سے آٹا نکالتے دیکھ لیا تو لڑکے کو لگا گالیاں دینے۔ لڑکے کے باپ نے التجا کے لہجے میں کہا: بھائی صاحب خفا (ناراض) نہ ہوں، میرے بیٹے کا دماغ خراب ہے۔ یہ تو پاگل ہے۔ دوسرے دوکاندار نے کہا: اگر پاگل ہے تو اپنی بوری سے آٹا میری بوری میں کیوں نہیں ڈالتا؟ لڑکے کے باپ نے جواب دیا۔ یہ اتنا پاگل نہیں ہے۔

مُسیلمۃ الکذّاب: دن رات اِسی اُدھیڑ پن (فکر) میں لگا رہتا تھا کہ کسی طرح رسولِ عربی ﷺ کی نُبُوَّت کے شمعِ اِیزدْ اَفروز (چراغِ ربّانی) کے دیئے سے اُس کا چراغ بھی جل جائے۔ مُسَیلمہ نے آنحضرت ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد نُبُوَّت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ یہ سَودا (جُنون) اُسے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں بھی لاحق تھا۔ چُنانچہ تاریخ میں مذکور ہے کہ:

"وہ اِسی قسم کے خیالات لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آیا بھی تھا اور ایک دفعہ اُس نے خط لکھ کر یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ مجھے اپنا شریکِ حال اور رفیقِ کار بنا لیا جائے اور نصف حصۂ زمین کی **خِدمَت** میرے سُپرد ہو اور نصف کی قریش کو، نبی کریم ﷺ نے جواب میں اُس سے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا کہ: "تمام زمین کا مالک (صِرف) خدا تعالیٰ ہے وہ بندوں میں سے جس کو چاہے دے اور مبارک انجام متقیوں کے لئے ہے۔"[73]

[73]) (السیرۃ النبویہ لابن کثیر، 97/4، دار المعرفۃ بیروت، عام النشر: 1395ھ 1976م)

سجاح اتنے بڑے لاؤ لشکر (جنگی لشکر) کے ساتھ یمامہ میں آ جمی، مسیلمہ کو سخت فکر ہوئی، اِس لئے کہ اُس کی نُبوَّت کے فتنۂ عظیم کو کچلنے کے لئے براہِ راست اسلام کے دربارِ خلافت سے مؤثر مساعی (کوشش) جاری تھیں اور ہر لحہ اِس کا خطرہ تھا کہ اسلام کے سرفروش طبقۂ مجاہدین سے اُس کا تصادُم نہ ہو چُنانچہ اُسی زمانے میں مسلمان اُس پر حملہ آور ہوئے تھے اور بڑی ذلّت ورُسوائی کے ساتھ یمامہ میں ہی مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچا تھا۔ مسیلمہ نے اِن مصالِح (مَفاد) کی بنا پر بھی مناسب سمجھا کہ سجاح کی طرف دستِ مصالَحت (صلح کے لئے ہاتھ) بڑھا دیا جائے اور اُسے راضی کر کے مُتَّحِدہ قوّت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا جائے۔ اُس سے سجاح نے کہا کہ نصف زمین پر منجانب اللہ میری حکومت مقدَّر ہے اور نصف پر قریش کی۔ لیکن بوجہ ناانصافی قریش نے نصف پر قناعت نہیں کی اور وہ بڑھتے بڑھتے میرے حصّے پر قابض ہو گئے ہیں۔ اِس لئے آج سے قریش کا نصف حصّہ تم کو دیا جاتا ہے اور اُس کے بعد سجاح کو نکاح کا پیام دیا۔ جس پر سجاح رضامند ہو گئی اور نکاح ہوا۔ سجاح کے مُتَّبِعین (پیروکار) کو جو مسیلمہ سے شوقِ جنگ میں اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اور اپنے کاروبار سے منہ موڑ کر یمامہ سے دور دراز کے ایک مقام پر پڑے ہوئے تھے۔ جب یہ نیا قِصّہ معلوم ہوا تو وہ بے عقل یہ دور کی کوڑی (جھوٹی بات) لائے کہ مُسَیلمہ نے سجاح کو مہر میں کچھ نہیں دیا اور یہ ہماری سخت ہتک (توہین) ہے۔ اِس پر مسیلمہ نے سجاح سے کہا کہ میں تمہارے مہر میں منجملہ اُن پانچ نمازوں کے جو محمد (ﷺ) نے فرض کی تھیں، صبح اور رات کی نماز معاف کرتا ہوں۔ یہ اُن جھوٹے مُدّعیانِ نُبوَّت کے اَکاذیب (جھوٹ) واَباطیل (باطل) تھے جو خود اُن کی بدنامی ورُسوائی کا باعث بنے اور جن سے اُن کے مُتَّبِعین (پیروکار) کے حلقہ میں اُن کی بے عقلی و حَماقت کا شہرہ عام ہو گیا۔

چُنانچہ سجاح کے ساتھ جتنے لوگ جمع ہو گئے تھے اُنہیں اُن اَحمقانہ (بیوقوفانہ) باتوں سے عقل آ گئی اور وہ سب سجاح کو بھی چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے۔ سجاح اکیلی رہ گئی اور پھر آہستہ آہستہ اُس کے دماغ سے نُبوَّت کا یہ سودائے خام (وہم و گمان) نکل گیا۔

ابنِ اثیر اور طبرانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ آخیر میں یہ پکّی اور سچّی مسلمان ہو گئی تھی اور دنیا سے حالتِ ایمان واسلام میں رُخصت ہوئی۔[74]

جس طرح سجاح کا اُٹھایا ہوا یہ فتنہ زندگی کے گِنے چُنے سانس لے کر آغوشِ مرگ (موت) میں جا سویا۔ اِسی طرح مُسَیلمہ، طُلیحہ بھی اپنی اپنی جگہ پر ناکام ہوئے اور اِرتِداد کے آتش کدہ (شعلہ زار) پر مسلمانوں کے حُسنِ تدابیر اور اسلام کی صداقت نے قابو پا لیا کہ باطل کا زور وشور بہر حال چند روزہ (وقتی) اور اُس کی زندگی غیر اعتباری (عارضی) ہے۔ بہتر انجام ہمیشہ کے لئے اور حق کا ساتھ دینے والوں کے لئے ہوتا ہے۔

آلو کو بخار: کسی نے پوچھا آلو بخارا کیا ہوتا ہے۔ ایک اَحمق (بیوقوف) نے جواب دیا کہ جس آلو کو بخار آتا ہو۔

دھکّے: بھرپور سردیاں تھیں، اَچانک لاری (گاڑی) کے اِنجن میں خرابی پیدا ہو گئی اور رُک گئی، کنڈیکٹر اور ڈرائیور نے اپنی پوری پوری کوشش کی لیکن لاری اِسٹارٹ نہ ہوئی۔ بالآخر کنڈیکٹر نے سب سواریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: بھائی مسلمانوں صبح کا وقت ہے اور نیکی کا کام ذرا باہر آؤ اور لاری کو دَھکّا لگاؤ مگر سردی کی وجہ سے سب مسافر لپٹے لپٹائے بیٹھے تھے۔ کوئی بھی اپنی جگہ سے ہلنے کو تیار نہ تھا۔ کنڈیکٹر نے پھر کہا: اِس کارِ خیر سے جی نہ چُراؤ مومنو۔ آج تم نے لاری (گاڑی) کو اگر ایک دھکّا لگایا تو دنیا میں تمہیں دس (۱۰) دھکّے ملیں گے پھر آخرت میں سترّ (۷۰)۔

---

74) (جوامع السيرة وخمس رسائل أخرى لابن حزة، 339/1، دار المعارف مصر الطبعة: 1، 1900م)

دومیراثی: شادی پر دومیراثی آپس میں کسی بات پر لڑ پڑے۔لوگوں کے سمجھانے پر خاموش تو ہو گئے مگر دل ہی دل میں وہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لئے بے قرار تھے کہ اِتنے میں ایک میراثی بولا: میں ابھی حاضر ہوا، ذرا پیشاب کر آؤں۔دوسرے میراثی نے فَوراًفِقرہ چُست کیا(چٹکلا مارا)آپ کیوں خواہ مخواہ تکلیف فرمارہے ہیں، ابھی آپ کو کیا کرایا پیشاب لائے دیتاہوں۔پہلے میراثی نے سَنجیدہ ساچہرہ بناکر جواب دیا:"ہاں اِس میں حرج تو کوئی نہیں مگر مجھے تم پر اعتبار نہیں شاید راستے میں جوٹھا کر لاؤ۔ براتیوں نے سمجھا بس اب بات ختم ہو گئی، بھلا اِس کا کیا جواب دے گا مگر وہ بھی آخر کار میراثی تھا چہک کر بولا:" جوٹھا کر دیا تو کیا ہوا مجھے اُس پر اپنی نانی کی فاتحہ تھوڑا ہی دِلانی ہے۔" (ماہ طیبہ ، ۱۹۶۵ء)

جھوٹے اوراَحمق (بیوقوف) مُتَنَبِّی: نُبُوَّت کے جھوٹے مُدّعیوں کے بے شمار واقعات فَقیر نے کتاب "جھوٹے مُتَنَبِّی" میں جمع کئے ہیں چند یہاں ملاحظہ ہوں:

(۱) خلیفہ مہدی کے زمانے میں ایک شخص نے نُبُوَّت کا دعویٰ کیا، جب اُسے گرفتار کر کے خلیفہ کے سامنے لایا گیا تو خلیفہ نے پوچھا کیا تم نبی ہو؟ بولا جی ہاں۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم کن لوگوں کی ہدایت کے لئے مَبعوث ہوئے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ تم نے کسی کے پاس مجھے جانے ہی نہیں دیا۔اُدھر میں نے نُبُوَّت کا دعویٰ کیا اور اِدھر تم نے مجھے پکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا ہے۔

(۲) اِسی خلیفہ کے زمانے میں نُبُوَّت کے مُدّعی ایک شخص کو خلیفہ مہدی کے پاس لایا گیا۔مہدی نے پوچھا تم کب مبعوث ہوئے؟ اُس نے کہا: آپ کو اِس سے کیا مطلب ہے؟ کیا نُبُوَّت تاریخ کی پابند ہوتی ہے؟ مہدی نے پھر پوچھا کہ تمہیں نُبُوَّت کہاں ملی ہے؟ وہ بولا: آپ تو ایسی باتیں پوچھ رہے ہیں جن کا نُبُوَّت سے کوئی تعلق ہی نہیں اگر آپ میری نُبُوَّت مانتے ہیں تو مانیں ورنہ اپنے گھر خوش رہیں۔ میں جاتا ہوں۔

(۳) ایک دفعہ کسی شخص نے بصرہ میں نُبُوَّت کا دعویٰ کیا، اُس وقت بصرہ کا حاکم سلیمان ابنِ علی تھا، اُس نُبُوَّت کے مُدّعی کو گرفتار کر کے حاکم بصرہ کے سامنے پیش کیا گیا، سلیمان نے پوچھا کیا تم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہو؟ اُس نے جواب دیا، جی اِس وقت تو میں قیدی ہوں، حاکم نے پھر پوچھا "کم بخت تمہیں کس نے نبی بنایا ہے؟ اُس نے کہا کیا نبیوں سے ایسی گفتگو کی جاتی ہے؟ کیا کروں مجبور ہوں اگر میں قید میں نہ ہوتا تو جبرائیل کو حکم دے کر تم سب کو مروا دیتا سلیمان ابنِ علی نے کہا کہ اچھا میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں تم جبرائیل کو حکم دو، اگر اُنہوں نے تمہارا حکم مان لیا تو ہم سب تم پر ایمان لے آئیں گے، وہ بولا خدا سچ فرماتا ہے کہ جب تک یہ نشانیاں نہ دیکھ لیں گے اُس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے۔یہ سُن کر خلیفہ ہنس پڑا۔

(۴) مامون رشید کے زمانے میں اکٹھے دس(۱۰) نُبُوَّت کے مُدّعیوں کو گرفتار کر کے قصرِ شاہی لے جایا جارہا تھا، راستے میں بے شمار تماشائی کھڑے تھے، اُنہی تماشائیوں میں سے ایک بیوقوف آدمی یہ سمجھا کہ شاید یہ لوگ شاہی دعوت پر جارہے ہیں اور اُن کے ساتھ ہو لیا تھا جب یہ سب مامون رشید کے سامنے پیش کئے گئے تو دس(۱۰) کے بجائے گیارہ نکلے۔بادشاہ نے سب کے قتل کا حکم دے دیا۔اب وہ شخص بڑا گھبرایا اور بولا کہ آپ مجھے کیوں قتل کرتے ہو؟ مامون رشید نے پوچھا کیا تم نے نُبُوَّت کا دعویٰ نہیں کیا؟ وہ بولا، اَجی کہاں کی نُبُوَّت اور کیسی رسالت۔میں تو یہ سمجھ کر اِن کے ساتھ ہو لیا تھا کہ شاید یہ لوگ دعوت پر جارہے ہیں۔مجھے نُبُوَّت سے کیا واسطہ، مامون رشید یہ سن کر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

پیٹ کا پُجاری: بنان طُفیلی سے کسی نے پوچھا کہ تمہیں کلام اللہ کی کون سی آیت زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے جواب دیا: مَا لَكُمْ لَا تَأْكُلُونَ(یس: ۴۷)(تمہیں کیا ہوگیا کہ تم کھاتے نہیں) پوچھا تم کون سی آیت پر سب سے زیادہ عمل کرتے ہو؟ تو بولا: كُلُوا وَاشْرَبُوا۔(البقرۃ: ۶۰)(کھاؤ اور پیو)اُس نے پوچھا کہ دُعا کے وقت کون سی آیت پڑھتے ہو تو کہنے لگا: رَبَّنَآ أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ (المائدہ: ۱۱۴)(اے خدا! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما)

اَعمش کی کاروائی: اَعمش کے بارے میں جریر بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک دن اَعمش سے ملنے کے لئے چلے تو ہم نے اُن کو ایک خَلیج(سمندر) کے کنارے پر بیٹھے دیکھا پھر ہم نے دیکھا کہ ایک کالے حُلیہ کا شخص آیا اور جب اُس نے اَعمش کو دیکھا تو چونکہ اَعمش کے بدن پر ایک پُرانا خراب سا اُونی جبّہ تھا اِس لئے اُس نے اُن کو حقیر سمجھ کر بیگار لینے کے ارادے سے کہا: مجھے خلیج(سمندر) کے اُس پار کردے اور اُن کا ہاتھ کھینچ کر کھڑا کرلیا اور اُن پر سوار ہوگیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہوتے وقت جو کلمات مسنون ہیں وہ پڑھنے لگا یعنی:

سُبْحانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنا هذا وَما كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ۔

اَعمش اس کو لادے ہوئے چل دیئے یہاں تک کہ جب خلیج(سمندر) کے بیچ میں پہنچ گئے تو اُسے وہاں پھینک مارا اور کہنے لگے کہ اب یہ دُعا پڑھ:

رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبارَكاً وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۔

یہ دعا منزلِ مقصود پر پہنچ کر پڑھنا مسنون ہے۔ پھر نکل آئے اور کالا آدمی بیچارہ پانی میں ہاتھ پیر مارتا ہوا چھوڑ آئے۔[75] (الحیٰوۃ الحیوان)

لڑکے کا حق: صاحب بن عباد کہتے ہیں کہ مجھے کوئی شرمندہ نہ کرسکا سوائے دو آدمیوں کے۔ ایک اُن میں ابوالحسن بہدینی ہے وہ میرے چند دوستوں کے ساتھ شریکِ بعام تھا۔ میں نے اُسے زیادہ کشمش کھاتے دیکھ کر کہا یہ زیادہ مت کھاؤ کیونکہ یہ معدہ خراب کردیتی ہے اُس نے کہا: وہ شخص میرے لئے تعجُّب خیز ہے جو اپنے دستر خوان پر لوگوں کا علاج کررہا ہو اور پرہیز کرارہا ہو۔[76]

ایسے کو تیسا: ایک لڑکا تھا جو اچھی شوخ طبیعت رکھتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کیا اچھا ہوتا کہ تو میرے تحت ہوتا۔ تو اُس نے فوراً جواب دیا" تین آدمیوں کے ساتھ "یعنی اُس نے میرا جنازہ اُٹھنے کا وقت مراد لیا۔ میں بڑا شرمندہ ہوا۔

چور پکڑا گیا: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی گاؤں میں ایک جاٹ(زمیندار) رہا کرتا تھا۔ اس گاؤں میں اُن دنوں چوریاں بہت ہوتی تھیں۔ ایک دن وہ سوئے ہوئے تھے تو اُن کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر چور آجائے تو کیا کیا جائے تو جاٹ(زمیندار) نے خواب میں تمام باتیں کرلیں۔ دوسرے دن جاٹ(زمیندار) نے اپنی بیوی کو کوئی بات نہ بتائی اور جب رات ہوگئی تو جاٹ(زمیندار) نے اپنی بیوی کو تمام باتیں بتادیں اور وہ بھی باتیں بتا کر سونے لگا تو چور نے اُن کے گھر چھلانگ لگادی اور جاٹ(زمیندار) نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ میں نے جو باتیں بتائی تھیں وہ یاد کرلو۔ تو بیوی نے جب دیکھا کہ چور چھپ کر ہماری باتیں سُن رہا ہے تو بیوی

---

[75] ((حیاۃ الحیوان، الشاۃ، 58/2، دار الکتب العلمیة، الطبعة: الثانية، 1424 ھ)

[76] ((الاذکیاء، الْبَابُ الْحَادِي وَالْعِشْرُونَ فِي ذكر من غلب من الْعَوام بذكائه كبار الرؤساء، 139/1، مطبوعه مكتبة الغزالی)

نے اپنے آدمی (جاٹ) سے کہا جو انگوٹھی آج لائے ہو وہ کہاں ہے؟ تو جاٹ (زمیندار) نے جواب دیا وہ تو سامنے والی الماری میں ہے جو بغیر تالے کے ہے چور بھاگ کر الماری کی طرف گیا اور اُس میں ہاتھ مارا تو اُس میں سے شہد کی مکھیوں نے اُسے کاٹ لیا تو وہ بڑی زور سے چیخ و پکار کرنے لگا تو جاٹ (زمیندار) نے اُسے بڑی آواز سے خوش ہو کر کہا کہ انگوٹھی ذرا سنبھال کر پہننا یہ مجھے بھی تنگ آتی ہے۔ پھر صبح ہوتے ہی جاٹ (زمیندار) نے اُس چور کو پولیس کے حوالے کر دیا۔

تُو مان نہ مان میں تیرا مہمان: ابو دہقان سے منقول ہے کہ کوئی طُفیلی ایک شخص کے ہاں پہونچا تو اُس سے صاحبِ مکان نے پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں جسے بُلانے کے لئے کسی اَیلچی کی ضرورت نہیں یعنی میں بن بلائے ہر ایک کا مہمان ہو جانے والا ہوں۔ [77]

فائِدہ: اِس قسم کا طُفیلی ایک مسجد سے گذرا ایک طالبِ علم سبق یاد کر رہا تھا اور وہ اُس لفظ کو بار بار دہرا رہا تھا "إن أبي يدعوك" "میرا باپ تجھے بلا رہا ہے۔ وہ طُفیلی سُن کر سیدھا اُس کے باپ کے پاس پہونچا۔ (الاذکیاء)

زنانہ شلوار والا امام مسجد: ایک مولوی صاحب کسی مسجد میں با تنخواہ ملازم تھے۔ مقتدیوں سے گھبرائے رہتے تھے۔ ہمیشہ وقت کی پابندی پر مقتدیوں کا جھگڑا رہتا تھا چونکہ مولوی صاحب کا گذارہ صِرف اُسی امامت پر تھا وہ بھی مقتدیوں کی ناز برداری (خوشامد) کی کوشش میں رہتے تھے۔ ایک دن صبح سویرے اُٹھے بجلی بند تھی روشنی کا بھی گھر پر انتظام نہیں تھا۔ شلوار اٹھا کر پہن لی، دراصل وہ شلوار اُس کی اہلیہ (بیوی) کی تھی۔ جوں ہی مسجد سے نماز پڑھا کر باہر نِکلے تو مقتدی چھینٹ کی (دھاری دار) شلوار دیکھ کر خوب ہنسے۔ مولوی صاحب نے کہا جلدی میں گھر سے نکلا یہ پتہ نہ کر سکا کہ یہ شلوار میری ہے یا اہلیہ (بیوی) کی۔

نوٹ: اگر وہ صِرف تنخواہ خوار نہ ہوتے اور اُنہیں صِرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہوتا تو اتنا پریشان نہ ہوتے۔ عُلَماء کرام کو مُستَغنی (بے نیاز) ہونا لازمی ہے تاکہ نماز باجماعت پڑھنے پڑھانے کا ثواب حاصل ہو۔

فائِدہ: نماز باجماعت ادا کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے چند ایک ملاحظہ ہوں۔

نماز باجماعت پڑھنے کے فضائل: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں پارۂ اوّل کی ۴۳ آیت میں فرماتا ہے:

واقيموا الصلوٰة وٰاتو الزكوٰة واركعوامع الراكعين۔

ترجمہ: اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

اِس آیت سے نماز باجماعت پڑھنے کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ حدیث شَریف میں تارکِ جماعت کے لئے سخت وعید آئی ہے۔ احادیث میں نماز باجماعت ادا کرنے کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے چُنانچہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ "جو شخص چالیس دن باجماعت نماز پڑھے گا، دوزخ سے نجات پانے کا حقدار ہوگا۔" [78] (ترمذی شَریف)

---

[77] (لطائف علميه لابن جوزی (مترجم)، 1/266، مطبوعه اسلامی کتب خانه)

[78] (سنن ترمذی، أَبْوَابُ الصَّلَاةِ، باب في التكبيرة الاولى، 7/2، الحديث 241، مطبوعه شركة المكتبة الحلبي، الطبعة: الثانية، 1395 هـ 1975 م)

فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ "اگر لوگوں کو نماز باجماعت کا ثواب معلوم ہو تو سب آکر مسجد میں نماز پڑھیں خواہ اُنہیں گھٹنوں کے بل ہی آنا پڑے۔ نماز باجماعت پڑھنے کا علیٰحدہ پڑھنے کی نِسبَت ۲۵ یا ۲۷ گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ نماز باجماعت پڑھنے سے پابندیٔ اوقات اِطاعت اور مساوات (برابری) کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ شاہ و گدا (فقیر) سب ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔[79]

جو نمازی بعد میں آئے اُسے حق نہیں کہ پہلی صف کے نمازی کو ہٹا کر خود کھڑا ہو جائے۔ خواہ وہ بادشاہِ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ اِس سے خود بینی و نفسانیت کا مادّہ پیدا نہیں ہونے پاتا۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق باجماعت نماز ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور ہر محلّہ کی مسجد میں نماز کی جماعت ہونا واجب ہے۔

نماز پڑھنے کی دھمکی: پرانے زمانہ کی بات ہے کہ ایک شخص کی اُونٹنیاں بہت زیادہ تھیں وہ نمازی کے کہنے پر نمازی بن گیا۔ نماز پڑھنا شروع کی تو چند اُونٹنیاں مر گئیں۔ غم سے چند روز نماز سے رُک گیا پھر نمازیوں کے تقاضا پر نماز شروع کی تو پھر اُونٹنیاں مرنے لگیں۔ اِسی طرح کئی مرتبہ ہوا۔

آخر فیصلہ کیا کہ نماز نہیں پڑھوں گا پھر جب اُسے اُونٹنیاں ستاتیں تو اُنہیں جِھڑکتے ہوئے کہتا کہ اگر نہیں رُکتی ہو تو میں نماز پڑھنے لگ جاؤں گا۔

نوٹ: یہ اُس کی بدقسمتی تھی کہ نماز سے وہ اپنی اُونٹنیوں کی موت سمجھ بیٹھا ورنہ نماز تو برکت ہی برکت ہے۔

بُھوکا جھانکا: نبان طُفیلی نے ایک دعوتِ ولیمہ پر جانا چاہا۔ مگر گھر والوں نے روک دیا اور اُس کو ہٹا کر دروازہ بند کر دیا۔ نبان نے کچھ دیر سوچا اور پھر بازار جا کر ایک سیڑھی کرایہ پر لی اور سیڑھی لے کر اُسی مکان کے پاس آکر سیڑھی مکان کی دیوار سے کھڑی کر کے اوپر چڑھ گیا اور گھر کی عورتوں اور لڑکیوں کو جھانکنے لگا، گھر والے نے کہا: ارے تو کون ہے، تجھے خدا کا خوف نہیں؟ تو ہماری عورتوں اور لڑکیوں کو جھانک رہا ہے۔ نبان نے کہا: اے شیخ (اور یہ آیت پڑھ دی)

لقد علمت ما لنا فی بنتک من حق و انک لتعلم ما یرید۔

ترجمہ: تو خوب جانتا ہے کہ ہم کو تیری بیٹیوں سے کوئی کام نہیں اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔

صاحبِ خانہ ہنس پڑا اور بولا نیچے اتر آ اور کھانا کھالے۔[80] (لطائفِ علمیہ)

عبادة فی المکه:

[79] (مسند بزار، مُسْنَدُ أَبِي حَمْزَةَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، 169/14، الحدیث 7711 مطبوعه مكتبة العلوم والحكم، الطبعة: الأولى، (بدأت 1988م، وانتهت 2009م))

[80] (الاذكياء، الْبَابُ السَّابِعُ وَالْعِشْرُونَ فِي ذكر طرف من فطن المتطفلين، 178/1، مطبوعه مكتبة الغزالی)

السيئات فی مكة كالحسنات مضاعفة فعن مجاهد قال: تضَاعف السَّيِّئَات بِمَكَّة كَمَا تضَاعف الْحَسَنَات[81] وسئل الإمام أحمد: هل تكتب السيئة أكثر من واحدة؟ فقال: لا، إلا بمكة لتعظيم البلد.[82]

ترجمہ: مکہ معظمہ میں برائیوں کا گناہ اتنا جیسے اُس میں نیکیوں کا۔ حضرت مجاہد رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا مکہ معظمہ میں برائیوں کا گناہ ویسے ہے جیسے نیکیوں کا ثواب یعنی اگر نیکیوں کا ثواب یہاں زیادہ ہے تو گناہوں کا حال بھی اِس طرح ہے کہ ایک برائی کا لاکھ برائی کے برابر لکھا جاتا ہے۔ امام احمد رحمۃاللہ علیہ سے پوچھا گیا کیا کسی ایک برائی کا گناہ زائد لکھا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: سوائے مکہ کے، اُس کی عظمت کے پیش نظر ایک برائی پر زائد برائیاں لکھی جاتی ہیں۔

عَجیب و غریب امام و مقتدی:

حکایت: ایک حافظ صاحب جماعت کرا رہے تھے اور رکوعِ قرآن وہ شروع کر رکھا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا مذکور ہے۔ جب اِس آیت پر پہنچے: فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ (طه: ۲۰) تو اتفاقاً محراب میں سے ایک سانپ نکل آیا۔ اُسے دیکھ کر حافظ صاحب ڈر گئے اور مارے خوف کے بار بار یہی آیت دہرانے لگے فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ۔ فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ۔ اِس تکرار کو دیکھ کر ایک مقتدی نے سمجھا کہ شاید حافظ صاحب بھول گئے ہیں چُنانچہ اُس نے لقمہ دیا: فَخُذْهَا وَلَا تَخَفْ (طه: ۲۰) ڈرو نہیں، پکڑ لو۔ یہ ارشاد تو خدائے تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھا مگر حافظ صاحب نے سمجھا یہ مجھے کہہ رہا ہے۔ جھٹ مصلّی سے ہٹ کر اُس مقتدی سے کہا: تَعَالَ أَنْتَ وَجَدُّکَ فَخُذْهَا تم اور تیرا باپ آؤ اور اسے پکڑو۔

منہ پھٹ کی کہانی: ایک منہ پھٹ اِنسان نے مولوی صاحب کے پیچھے نماز شروع کر دی۔ امام صاحب پڑھتے ہوئے بھول گئے اور بدحواسی سے پڑھنے لگے أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ دو تین بار اُسے دہرایا تو اُس منہ پھٹ نے پیچھے کھڑے ہوئے کہا شیطان کا کوئی قصور نہیں۔ آپ خود ہی قرأۃ پر قادر نہیں۔

بھوکا: ایک طالب علم سبق دہرا رہا تھا۔ إن أبي يدعوك میرا باپ تجھے بلاتا ہے۔ ایک بھوکا سُن رہا تھا وہ اُس بچّے کے باپ کے پاس پہنچ گیا۔ اُس کے باپ نے کہا: میں نے تمہیں نہیں بلایا۔ اُس نے کہا: بچّے نے مجھے کہا ہے۔ بچّے کو بلایا گیا، اُس نے کہا: میں تو سبق یاد کر رہا تھا بھوکے کا حال سُن کر اُس نے کھانا کھلایا۔

رگِ گل: دہلی کے ایک مُشاعرے میں نازک خیال شاعروں نے مصرعہ اِس طرح یہ تجویز (پیش) کیا:

رگِ گل سے بلبل کے پَر باندھتے ہیں

اُس پر کسی ظریف شاعر نے یہ گرہ لگائی کہ ۔ سنا ہے کہ دہلی میں اُلو کے پٹھے ☆ رگِ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں

[81] (الدر المنثور، باب 24، 29/6، دار الفكر بيروت)

[82] (من لطائف وأسرار (تفسير ابن الجوزي)، باب قوله تعالى: (وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ، 307/1، المصدر: الشاملة الذهبية)

ساغری کے شعر: ساغری نامی ایک شاعر جو فضول شعر کہنے میں بڑا طاق (ماہر) تھا۔ مولانا جامی کی خدمت میں آیا جایا کرتا تھا اور آپ کو بڑا تنگ کیا کرتا تھا ۔ایک دفعہ جامی نے تنگ آ کر اُس کے لئے یہ قطعہ (ٹکڑا) کہا

ساغری مے گفت وزوان معا فی بردہ اند   ہرکجا درشعر من معنی رنگین پردہ اند

دیدم اکثرشعرپیش را یکی معنی نداشت   راست میگفت آنکہ معنی باش را دزدیدہ اند [83]

یعنی: ساغری کہتاہے کہ اُس کے شعروں میں جہاں بھی کوئی اچھا معنی نظر آئے۔ چور شاعر اُس کے شعروں کا وہ معنی چرا لیتے ہیں۔ وہ سچ کہتاہے کیونکہ میں نے اُس کے تمام شعر دیکھے ہیں۔ کسی شعر میں کوئی معنی نہیں پایا۔ واقعی اُس کے معنی کو چوروں نے چرالیا ہے۔

عُرفی وفیضی: ایک دن عُرفی فیضی کی ملاقات کو گئے۔ فیضی اپنی گود میں کُتّے کے پِلے (بچّہ) کو لئے بیٹھے تھے۔ عرفی نے پوچھا "نام ایں صاحبزادہ چیسست "اِس صاحبزادے کا کیا نام ہے؟

فیضی نے جواب دیا "خود عرفی است پرسیّدن چہ معنی؟" یعنی ظاہر ہی ہے کہ پِلا ہے۔ پوچھنا فضول ہے۔ عرفی نے جواب دیا: " مبارک شد"۔ یعنی مبارک ہو گا۔[84] (مبارک فیضی کے باپ کا نام تھا۔)

اَمراضِ قلب کا ماہِر: ستمبر ۱۹۷۶ء میں آسٹریا (Austria) کے شہر ویانا (Vienna) میں ایک عالمی طبّی کانفرنس منعقد ہوئی۔ موضوع تھا "دل کے دورے اور اُن کا سدِّباب" میونخ (Munich) کے ۶۶ سالہ ڈاکٹر جوزف اسٹریل (Joseph Strehl) بھی جو امراضِ قلب کے ماہر تھے، کانفرنس میں مدعو (بلائے گئے) تھے، اُن پر عین اُس وقت دل کا دورہ پڑا جب وہ اُس موضوع پر کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔

قولنج کا ماہِر: مشہور مسلمان طبیب بو علی سینا درد قولنج (پیٹ، آنتوں یا معدے کی تکلیف) کے علاج کے ماہر تھے۔ بے شمار مریضوں نے اُن کے علاج سے شفا پا ئی لیکن یہ عَجیب اِتّفاق ہے کہ خود اُنہوں نے دردِ قولنج کی وجہ سے وفات پائی۔[85]

بادشاہ انگریزوں کا ، لیکن انگریزی سے بے بہرہ (Uninformed): جارج اول (George, the first) نے ۱۷۱۴ء سے ۱۷۲۷ء تک اِنگلستان پر حکومت کی۔ وہ ۱۶۶۰ء میں جرمنی میں پیدا ہوا تھا اور انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انگلستان کے تخت پر بیٹھنے کے بعد بھی اُس نے کبھی انگریزی سیکھنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃاللہ علیہ زمانۂ طالب علمی میں اپنے استاد حضرت مولانا معین الدین کی خِدمَت میں ساتھیوں سمیت بیٹھے تھے۔ مولانا نے عینک دوا برو پر رکھ چھوڑی تھی جیسے عینک پہننے والوں کی عادت ہے اُسے بھول گئے اور لگے عینک تلاش کرنے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا عینک علی عینک، عینک آپکی آنکھ پر ہے۔ (کذا قال مولانا محمد منشا صاحب قصوری)

---

83) (بزمِ خیال، ص35، صدیق بک ڈپو، 1918ء)

84) (مختصر تاریخ ثقافتِ ہند، ص224 "انسٹی ٹیوٹ آف مڈل ایسٹ کلچرل اسٹڈیز، 1967ء)

85) (سير أعلام النبلاء، ابْنُ سِيْنَا أَبُو عَلِيٍّ الحُسَيْنُ بنُ عَبْدِ اللهِ البَلْخِيُّ، ج17، ص 532 الی 534 مؤسسة الرسالة، الطبعة : الثالثة ، 1405 ھ / 1985 م)

(۲)ابن ہرمہ ابو جعفر (برمکی) کے پاس گیاتواُس نے فرمایا: کچھ مانگو۔ عرض کی آپ اپنے افسروں کو لکھیں کہ وہ مجھے نشہ کی حالت میں پائیں تو مجھے کوڑے نہ ماریں ۔فرمایا: یہ شرعی حد ہے میں اُسے کیسے لکھوں۔ عرض کی یہ لکھو کہ اُسے نشہ کی وجہ سے اسّی(۸۰) کوڑا اور جو اُسے پکڑ لائے اُسے سو کوڑا مارو۔ابو جعفر نے یہ حکم لکھ دیا۔اب جب بھی شراب پیتاتو اُسے کوئی بھی گرفتار نہ کرتا کہ کون اسّی(۸۰) کے عوض میں سو کوڑا کھائے۔[86](اذکیا،ابن الجوزی)

(۳)شعبی حمام میں داخل ہوئے تو داؤد ازدی کو حمام میں ننگے بدن دیکھ کر آنکھیں بند کر دیں۔داؤد ازدی نے کہا: کب سے اندھے ہوئے ہو جناب۔فرمایا: جب سے جناب کو خدا تعالیٰ نے ننگا کیا ہے۔[87](اذکیا،ابن الجوزی)

عَجائِبات دنیا:

درملک دکن کوه است بطول سی یا چہل کرده ازجا نب شما ل مثل کمان مقوس گردیده دورداماں کوه صحراے بسیار وسیع است وبرراه درآمد این صحرا یکے ازپیشیناں میگویند که سکندرذو القرنین دیوا رے قا ئم کرده است برائے چند سبب یکے آ نکه سبا ع وحشرات موذیه مہلکه بسیاراند مبادا اِنسان ازدست آ نہا مضرت بینند دوم آنکه درآن صحرا گذاره جنا ت ودیوو پریہا وطلسما ت ایشان درانجا بسیاراست مبادا ایشاں گرفتا رشوند سوم آنکه درآنجا قسمی است ازسنگ که آ نرا آدم با گویندچُنانچه مقناطیس آہن ربا است چُنانچه مہره معروف کا ه ربا ست بدیون او انبساط شد ید اِنسان را عا رض میشود وخنده غلبه میکند وبواسطه شدت انبساط و انجذاب با وہلاک میگردد ۔[88](ص۱۱۳ج۲فتاویٰ عزیزیہ)

ترجمہ: دکن میں چالیس(۴۰) کوس کا ایک جنگل جس کا گھیرا کمان جیسا ہے اور وہ کوہِ صحراب کے بائیں جانب واقع ہے۔کہتے ہیں کہ یہاں پر سکندر نے دیوار کھڑی کی تھی اُس کے چند وجوہات تھیں (۱) درندوں اور حشراتِ موذیہ (نقصان دہ کیڑے) سے اِنسانوں کی حفاظت (۲) وہاں جنگل میں دیو،جِنّات، پریاں اور طِلسمات ہیں دیوار سے اِنسانوں کو بچالیا گیا۔(۳) وہاں پر ایک عجیب پتھر ہے جب اِنسان اُسے دیکھ لے تو ہنستے ہنستے اُس وقت بس ہوتا ہے جب موت کا شکار ہو جا تا ہے۔ایسے پتھر کو آدم رِباء کہا جاتا ہے یعنی وہ آدم زادے کا مقناطیس ہے اس سے انسانوں کو بچانے کے لئے۔

فائدہ: اِس طرح کے سلطان سکندر کے بیشمار کارنامہ ہیں۔سر براہانِ مملکت کو سبق ہے کہ ایسی یادگاریں چھوڑیں جن سے رہتی دنیا تک خلقِ خدا کو فائدہ ہو۔

عجوبے

پہلا عجوبہ: پرانے زمانے میں روم اور یونان کے لوگ ایک دیوی کی پوجا کرتے تھے اُس دیوی کو یونان والے آرٹیمس(Artemis)اور روم والے ڈائنا (Diana) کہا کرتے تھے۔یونانیوں نے شہر افیفیس(Ephesus) میں اُس دیوی کا عظیم الشان مندر بنایا جس کے سو(۱۰۰) ستون تھے۔ہر ستون تقریباً چھ(۶) فٹ چوڑا اور ساٹھ(۶۰) فٹ بلند تھا۔سنگِ مرمر کی چھتیں تھیں اور دروازوں پر سونے کا خول چڑھایا گیا تھا۔دیوی کا یہ مجسمہ ایک پتھر سے تراشا گیا تھا اور اُس کے سا

---

86) (الاذکیاء. اَلْبَاب التَّاسِع فِي سياحة الْمَنْقُول من ذَلِك عَن الْخُلَفَاء رَضِي الله عَنْهُم .37/1 .مطبوعه مكتبة الغزالی)

87) (الاذكياء. اَلْبَاب الثَّالِث عشر فِي سِيَاق الْمَنْقُول من ذَلِك عَن عُلَمَاء هَذِه الْأمة وفقهائه .70/1 .مطبوعه مكتبة الغزالی)

88) (فتاوی عزیزی از عبد العزیز محدث دهلوی.،122/2 .در مطبع مجتبائی دهلی ،1326ھ)

منے ایک پردہ بطورِ نقاب ہر وقت لٹکا رہتا تھا۔ اُس پردے کو صِرف خاص موقعوں پر اٹھایا جاتا تھا۔ مندر کے مرکزی حصے میں صِرف سونے چاندی کے ڈھیر لگے رہتے تھے جو آدمی اُس مندر میں آکر دیوی کی پناہ لے لیتا تھا اور اُسے زمانے کے رواج کے مطابق کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نُقصان نہ پہنچا سکتی تھی اور نہ اُسے قیدی بنایا جاسکتا تھا۔ تیسری صدی میں گاتھرون نے جسے خوبصورت چیزوں سے نفرت تھی اُس مندر کو تباہ کردیا، اُس کے بعد ایک سخت زلزلے نے بھی بڑی تباہی مچائی۔ عرصہ بعد کھدائی کے بعد اُس عجیب و غریب مندر کے آثار برآمد ہوئے یہ آثار بہت سے عجائب خانوں میں محفوظ کردیئے گئے ہیں۔

دوسرا عجوبہ: شہرِ بابل کے وہ فضائی باغات ہیں جن کے کھنڈر بغداد سے دریائے فُرات کے کنارے کنارے پچاس میل کے فاصلے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ بابل کے ایک بادشاہ کی نوجوان ملکہ کسی پہاڑی ملک کی رہنے والی تھی اُسے اُس ملک کی ہموار زمین پسند نہ تھی چُنانچہ بادشاہ نے اُس کی خاطر یہ فضائی باغات تیار کرائے۔ کئی کئی منزلہ عمارتوں کی طرح اُن کا باغ بھی زمین سے کافی بلند تھا۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ باغات ہوا میں لٹک رہے ہوں۔ اُن باغات کے اوپر نیچے کئی منزلیں ہیں سب سے نچلی منزل پر باغ ایک پُل کی چوٹی پر لگایا گیا تھا بعض پُل ۷۵ فٹ بلند تھے اُن باغات میں سفید سنگِ مرمر کے نفیس کمرے تھے اور نہانے کے لئے رنگین پانی کی چھوٹی چھوٹی جھیلیں تھیں۔

تیسرا عجوبہ: ہیلیوس (Helios) یا سورج دیوتا کا بت تھا۔ قدیم یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ سورج دیوتا اپنی آتشیں رتھ پر بیٹھ کر آسمان کا دورہ کرتے ہوئے دنیا کو روشنی پہنچاتا ہے۔ یہ بت بارہ (۱۲) سال کی محنت کے بعد ایسی دھات سے تیار کیا گیا تھا جو دھوپ میں سونے کی طرح چمکتی تھی۔ بت کا ایک پاؤں جزیرہ رہوڈس سے ایک کنارے پر اور دوسرا پاؤں دوسرے کنارے پر تھا۔ بت کی بلندی ایک سو بارہ (۱۱۲) فٹ تھی اُس کے ہاتھ میں ایک لیمپ بھی تھا جب اُس کی ٹانگوں کے نیچے سے جہاز گزرتے تو بہت ہی چھوٹے معلوم ہوتے جب اُسے بندرگاہ پر تعمیر ہوئے ساٹھ (۶۰) سال گزر گئے تو ایک خوفناک زلزلے نے اُسے گرادیا۔

چوتھا عجوبہ: موسولوس[89] شاہِ ایشیائے کوچک[90] کا مقبرہ ہے جب بادشاہ نے وفات پائی تو اُس کی ملکہ آرٹمیپا نے عہد کیا کہ وہ اپنے شوہر کا ایسا شاندار مقبرہ تعمیر کرائے گی جس سے اُس کی شہرت کا آفتاب ہمیشہ چمکتا رہے گا مقبرے کی تعمیر کے لیے بہترین کاریگر منتخب کیے گئے اتفاق سے ملکہ مقبرے کی تعمیر سے پہلے مرگئی مگر اُس کے وفادار کاریگروں نے ملکہ کی آرزو کے مطابق مقبرہ تعمیر کردیا۔ یہ مقبرہ زمین سے ۱۴۰ فٹ بلند تھا اُس کا فرش سنگِ مرمر اور سنگِ سبز کا تھا۔ بادشاہ کی لاش مقبرے کے عین وسط میں دفن کی گئی۔ مقبرے کی چوٹی پر چار گھوڑے ایک شاندار گاڑی کو کھینچ رہے تھے۔ جس میں بادشاہ موسولوس اور ملکہ آرٹمیپا کے مجسمے بٹھائے گئے تھے اِس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ لوگ آسمان کی سیر کررہے تھے۔

پانچواں عجوبہ: فاروس اسکندریہ (Pharos of Alexandria) ہے یہ دنیا کا سب سے پہلا اور بڑا روشنی کا مینار شمار کیا جاتا ہے یہ مینار اسکندریہ کے ایک باشندے سوستراٹس نے تعمیر کرایا تھا۔ سوستراٹس ایتھنز کی ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے یہ لڑکی ایک شخص کے ہمراہ (ساتھ) اُس کے پاس یونان سے مصر آئی تھی کہ دفعتاً سمندر میں طوفان آگیا وہ طوفان سے ٹکرا کر پاش پاش (ٹکرے، ٹکرے) ہوگئی۔ سوستراٹس نے اُس حادثے سے متاثر ہو کر جزیرہ فا

---

[89] Mausoleum at Halicarnassus (حالی کارناسس میں موسولوس کا مقبرہ)

[90] ایشیائے کوچک (Asia Minor) ایک تاریخی اور جغرافیائی علاقہ ہے جو موجودہ دور کے ترکی کے بیشتر حصے پر مشتمل ہے۔

روس کے مشرقی کنارے پر روشنی کا ایک مینار بنوایا تھا جس کی بلندی چار سو(۴۰۰) فٹ تھی مینار کی چوٹی پر تمام رات آگ روشن رہتی تھی جو میلوں سے جہاز دانوں کو نظر آتی تھی۔ایک زبردست زلزلے نے اس مینار کو تباہ کر دیا اور اس کی روشنی ہمیشہ کے لیے بُجھ گئی۔

چھٹا عجوبہ:زیوس(Zeus) کا بُت ہے قدیم یونانیوں کے عقیدہ کے مطابق دنیا پر یہی دیوتا حکومت کرتا تھا اور اولمپیا میں اُس کی تعمیر پر سو(۱۰۰) سال کی مدّت صَرف ہوئی۔عمارت سنگِ مرمر کی اور دیواریں کسی دوسرے پتھر کی تھیں۔زیئس کا بُت پانچ(۵) سال کی لگاتار محنت سے تیار ہوا تھا۔اُس کا سر طلائی(سونے کا) تھا۔چوبی(لکڑی کے) تخت پر ہیرے،جواہرات اور خوبصورت تصویریں پڑی رہتی تھیں۔

ساتواں عجوبہ:اہرامِ مصر ہے۔یہ قدیم زمانے کے مصری بادشاہوں کے مقبرے ہیں جو آج سے تقریباً چھ ہزار(۶۰۰۰) سال پہلے تعمیر کئے گئے تھے۔بظاہر یہ مقبرے مخروطی(آئسکریم کون کے) شکل کے ہیں جو قاہرہ سے تقریباً دس(۱۰) میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔سب سے بڑے مینار کی بلندی ساڑھے چار سو(۴۵۰) فٹ ہے اُس کے چاروں پہلو سُکڑتے سُکڑتے آخر ایک چوٹی پر جا ملتے ہیں اُس کی تعمیر پر بیس(۲۰) سال صَرف(خرچ) ہوئے۔لاش مینار کے اندر وسطی(درمیانی) کمرے میں سطحِ زمین سے تین سو(۳۰۰) فٹ نیچے رکھی جاتی تھی اُن لاشوں پر ایک خاص قسم کا مصالحہ لگایا جاتا تھا جس سے وہ بالکل محفُوظ ہو جاتی تھیں چُنانچہ اتنی مدّت گزر چکی اب تک وہ لاشیں اپنی اصلی حالت میں پائی جاتی ہیں۔اُن کو ممی کہتے ہیں۔لاش جس مصالحہ سے محفُوظ کی جاتی تھی اُس کا علم صِرف قدیم مصریوں تک محدود تھا اِس کے علاوہ تاج محل آگرہ اور دیوار چین بھی عجوبات میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔(ماخوذ)

اکبری ایجادات: بادشاہ اکبر اہلِ علم و فن کا قدردان اور سرپرست تھا۔اُس دور کے بڑے بڑے عُلَماء و فضلاء اُدَباء و شُعَراء اور ماہرینِ فُنون لطیفہ اُس کے دربار سے وابستہ تھے۔اکبر کی اِس علمی سرپرستی نے اُس عہد کے صناعوں(فنکاروں) اور موجِدوں(ایجاد کرنے والوں کو) کیلئے ایجادات اور اِختراعات(تخلیقات) کے دروازے کھول دیئے اور اُنہوں نے طرح طرح کی عجیب و غریب چیزیں ایجاد کیں اور تمدُّنی ترقی کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا۔اُن میں سے دو،چار کا حال درج ذیل ہے:

کَل کی چکّی: اِس کے موجِد امیر فتح اللہ تھے۔یہ ملکِ ایران کے مشہور شہر شیراز کے رہنے والے تھے۔اکبر نے اُنہیں ہندوستان آنے کا حکم دیا اور وہ فتح پور آکر امین الملک کے عہدے پر فائز ہوئے۔یہ چکی،ہوا اور پانی کے زور سے نہیں بلکہ خود بخود چلتی تھی۔

انوکھا حوض:اِس کے بنانے والے حکیم علی تھے۔یہ دربارِ اکبری کے مشہور حکیم اور موجِد تھے۔اُس کی کیفیت یہ تھی کہ حوض کے اندر ایک مختصر سا کمرہ تھا۔جس میں دس بارہ(۱۰،۱۲) آدمی بیٹھ سکتے تھے۔کمرہ ہوادار اور روشن تھا۔کمرے میں ہر طرف سے روشنی آتی تھی۔لیکن ہوا کا رُخ اِس طرح قائم کیا گیا تھا کہ پانی نہیں آسکتا تھا۔کمرہ فرشِ فُروش سے آراستہ تھا۔کھانے پینے کی ہر چیز یہاں ملتی تھی۔

عَجیب و غریب توپیں:اکبری دور کے صناعوں(موجدوں) نے طرح طرح کی توپیں ایجاد کیں۔اُن میں سے ایک سترہ(۱۷) نال کی تھی اور ایک ہی دفعہ سب نالیں سر ہوتی تھیں۔ایک ایسی تھی کہ چوڑیوں کے حلقے کی طرح الگ الگ ہو جاتی تھی اور بوقتِ ضرورت حلقے ملا دیئے جاتے تو ایک توپ بن جاتی۔

آتشی توپیں: اکبر گیند کھیلنے کا بہت شوقین تھا، کبھی کبھی راتوں کو بھی گیند کھیلتا تھا۔اِس لئے موجدوں نے اِس قسم کے گیند ایجاد کئے کہ رات کو شعلہ کی طرح نظر آئیں آج کے ایٹمی دور میں یہ ایجادات واختراعات ایک معمولی بات ہے لیکن بقول شبلی اُس زمانے میں یورپ میں بھی عجیب وغریب سمجھی جاتی ہوں گی۔

حجاج کی کہانی : حجاج بن یوسف سیر کو گئے۔شہر میں پہنچے تو اپنے مصاحبوں (ساتھیوں) کو علیحدہ کردیا اور اکیلے رہ گئے۔ایک بوڑھے کو آتے دیکھا تو اُس سے کہا: اے شخص تو کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔اُس نے جواب دیا قبیلہ بنو عجل سے، حجاج نے پوچھا ملک کے حاکموں کے متعلق تیری کیا رائے ہے۔بوڑھے نے جواب دیا تمام کے تمام ظالم ہیں لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زبردستی اُن کا مال چھین لیتے ہیں۔پھر حجاج نے پوچھا۔حجاج کے متعلق تمہارا کیا خیال۔اُس نے جواب دیا کہ وہ تو سب سے بڑا ظالم ہے۔خدا اُس کا منہ کالا کرے اور اُس کا بھی منہ کالا کرے جس نے اُس کو ملک کا حاکم مقرر کیا۔حجاج نے کہا: کیا تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں۔بوڑھے نے جواب دیا کہ بخدا میں نہیں جانتا۔اُس نے کہا کہ میں حجاج بن یوسف ہوں۔بوڑھے نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں کیا آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔جواب دیا نہیں۔بوڑھے نے کہا قبیلہ بنو عجل کا پاگل ہوں۔عامر میرا نام ہے۔مجھ پر دن میں ایک مرتبہ دورہ پڑتا جیسے کہ اب پڑا ہوا ہے۔ بوڑھے کا یہ جواب سن کر حجاج ہنس پڑا اور اس کو انعام دیا۔[91]

شرارتی شاگرد: ایک استاد صاحب کے پاس بتاشےٗ آئے اس نے بخل کی وجہ سے لوٹے میں اسے آٹے سے بند کر دیا تاکہ لڑکے نہ کھاجائیں۔شاگردوں نے نیچے سے سوراخ کرکے اس میں پانی ڈالا تو وہ شربت بن گیا جسے انہوں نے پی کر لوٹا اسی طرح رکھ دیا جیسے استاد صاحب نے رکھ چھوڑا تھا۔

دو بد نَصیب اِنسان: اسحاق بن ابراہیم کا ایک غلام تھا اُس کے ذمہ تھا شاہی محل میں پانی کی کمی نہ آنے دے۔ایک دن اسحاق نے غلام سے خیریت پوچھی تو کہا: اُس محل میں صِرف دو ہی بد نَصیب ہیں ایک میں دوسرے آپ۔اسحاق نے فرمایا: وہ کیسے؟ آپ کو اُن سب کے کھانے کا بندوبست کرنا پڑتا ہے اور مجھے پانی کا۔غلام کی بات سن کر اسحاق نہ صِرف ہنس پڑا بلکہ اِس لطیفہ کی وجہ سے اسے آزاد کر دیا۔[92]

نقطے نے کیا کر ڈالا: ایک دن سلیمان بن عبدالملک نے اپنے ایک مُنشی (Secretary) کو بلایا اور کہا کہ حاکمِ مدینہ کو لکھو۔ احص من قبلك من المخنثين یعنی شمار کر کہ مدینہ میں مخنث کتنے ہیں؟ منشی (Secretary) کے قلم سے اتفاقاً "ح" کے اوپر ایک نقطہ لگ گیا۔جب یہ حکم حاکمِ مدینہ کو پہنچا تو اُس نے پڑھا۔"اخص المختثین" یعنی مدینہ کے مخنثوں کو خصی کر دو چُنانچہ اُس نے حکم کی تعمیل کی اور یہ علم بعد میں ہوا کہ "ح" پر نقطہ غلطی سے لگ گیا ہے۔[93]

---

[91] (ثمرات الأوراق في المحاضرات، 236/2، مكتبة الجمهورية العربية، مصر)

(الكشكول لابهاء العاملي، أحكام حتى، 273/1، دار الكتب العلمية، بيروت–لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤١٨هـ ١٩٩٨م)

(المستطرف في كل فن مستظرف للأبشيهي، الفصل الرابع في ذكر فصحاء النساء وحكاياتهن، حكاية المتكلمة بالقرآن، ص70، عالم الكتب–بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤١٩هـ)

[92] (البصائر والذخائر للتوحيدي، 67/1، دار صادر–بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤٠٨هـ ١٩٨٨م)

[93] (أخبار الحمقى والمغفلين لابن الجوزي، الباب الحادي عشر في ذكر المغفلين من رواة الحديث والمصحفين تصحيف أدى إلى جريمة، ص83، دار الفكر اللبناني الطبعة: الأولى، ١٤١٠هـ ١٩٩٠م)

اکبر الہ آبادی مرحوم کی طنزیات

(۱) **خوش نَصیب**: گوہر نامی طوائف نے اکبر الہٰ آبادی سے درخواست کی کہ کوئی شعر میرے لئے بھی ہو جائے۔

اکبر نے فی البدیہہ (فوراً) کہا خوش نَصیب آج بھلا کون ہے گوہر کے سوا سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا

(۲) شبِ براٗت کی تقریب پر اکبر الہٰ آبادی سے ایک دوست نے شبراتی طلب کی تو کہا: تحفہ شبرات کیا دوں میں ☆ جانِ من تم تو خود پٹاخہ ہو

(۳) ۱۹۱۹ء میں اِنفلو ئنزا (نزلہ) کی وَبا بڑے شدّومد سے پڑی۔ بہت سے لوگ اُس مرض سے مر گئے۔ اکبر نے اپنے دوستوں سے کہا کہ یہ مرض کہاں سے یہاں آیا ہے؟ کسی نے جواب دیا اِسپَین (Spain) سے۔ اکبر نے فَوراً کہا انفلو ئنزا سنا آیا یہاں اسپین سے

ایک گرجاگھر (Church) کو دیکھا تو کہا: الٰہی خانۂ انگریز گرجا ☆ طُفیلِ مصطفےٰ ﷺ یہ دین پھر جا

(۵) ایک مرتبہ داڑھی اور زُلفِ محبوب ﷺ کو اِس رنگ میں ادا کیا

ہم رِیش دکھاتے ہیں کہ اسلام کو دیکھو مِس زُلف دکھاتی ہے کہ پس لام کو دیکھو

کُبڑا بونا: زمانۂ قدیم میں شہر کاشُغَر میں ایک درزی رہتا تھا۔ اُسے اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ ایک دن حسبِ معمول وہ اپنی دکان پر بیٹھا کپڑے سی رہا تھا کہ ایک کُبڑا بونا اُس کی دکان کے دروازے پر بیٹھ کر اپنے طنبور (باجہ) پر گانے بجانے لگا۔ درزی کو اُس کا گانا بہت پسند آیا اور جب دکان کو بند کر کے گھر جانے لگا۔ تو کبڑے کو اپنے ساتھ لے گیا کہ بیوی کو بھی اُس کا گانا سنوائے۔ جب گھر پہنچے تو بیوی نے اُن کے سامنے کھانا رکھا۔ اُس دن اِتّفاق سے درزی کے گھر مچھلی پکی تھی۔ کبڑا بھی درزی کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا، شامت جو آئی، حَلق میں ایک کانٹا اٹک گیا۔ ہر چند درزی اور اُس کی بیوی نے اپنی سی بہت کچھ کوشش کی مگر کانٹا نہ نکلا۔ کبڑے کا دم گھٹ گیا اور بیہوش ہو گیا۔ اُس حادثے سے دونوں بہت ڈرے کہ ایسا نہ ہو اِس کے قتل کے اِلزام میں دَھرے (گرفتار کئے) جائیں۔ درزی کے مکان کے پاس ایک حکیم رہتا تھا۔ درزی اور اُس کی بیوی نے یہ تجویز کی کہ کبڑے کی لاش کو اُس کے مکان میں رکھ آئیں۔ درزی نے حکیم کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ اُس پر ایک خادِمہ جس کے ہاتھ میں چراغ، بَتّی کچھ نہ تھا نیچے اتری اور پوچھا تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟

درزی نے اُس کے ہاتھ میں پانچ روپے دے کر کہا، اپنے آقا کو خبر کرنے گئی۔ درزی اور اُس کی بیوی کبڑے کو اوپر کے زِینے (سیڑھی) پر کھڑا کر کے چلتے بنے۔ حکیم بیمار کی خبر پا کر زینے (سیڑھی) میں آیا۔ روشنی ساتھ نہ لایا۔ جلدی میں کبڑے سے اِس زور سے ٹکرایا کہ کُبڑا اُلڑ ھکتا لُڑ ھکتا زینے (سیڑھی) سے نیچے آپڑا۔

حکیم نے خادمہ کو پُکار کر کہا کہ جلد روشنی لا۔ جلدی کر جلدی۔ روشنی آئی تو حکیم صاحب کو معلوم ہوا کہ بڑی مُصیبت پڑی۔ بولا۔ افسوس! صد افسوس! میں نے کیوں بے روشنی نیچے اترنا چاہا۔ بیچارے کو میرے پاس علاج کے لئے لائے تھے۔ دھکّا لگا اور وہ میری نادانی اور غفلت سے یوں ہلاک ہوا۔

پھر یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر پولیس کو خبر ہوئی تو شامت آجائیگی۔اِس ڈر سے کبڑے کو اٹھا کر میاں بیوی اوپر لے گئے اور صلاح و مشورے کے بعد اُس کے بازوؤں میں رَسّی باندھ کر ایک مسلمان کے مکان میں جو پِچھواڑے (پیچھے) رہتا تھا۔ آتش دان میں اُتار دیا۔ کبڑا دیوار سے اِس طرح لگ کر کھڑا ہو گیا گویا زندہ ہے۔

اُس مکان کا مالک بادشاہ کا مودی (مشیر) تھا اور اُس میں روغن (گھی)، غلہ اور ہر قسم کی جنس جمع رہتی تھی۔ چوہے اُس کا بہت نُقصان کرتے تھے۔اِتّفاقاً اُس رات مودی (مشیر) کسی بارات میں گیا تھا۔ وہاں سے دیر کے بعد پہنچا۔ لالٹین ہاتھ میں لئے اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص آتش دان (چمنی) میں دیوار سے لگا کھڑا ہے۔ مودی (مشیر) تھا قوی آدمی۔ اُس نے ہاتھ میں لکڑی اُٹھائی اور اُسے چور سمجھ کر بے تحاشا پیٹنا شروع کیا اور کہنے لگا خوب! میں تو سمجھتا تھا کہ چوہے میرا گھی اور غلہ کھا جاتے ہیں مگر اب معلوم ہوا کہ آپ ہی چمنی کے راستے سے اتر کر میرا نُقصان کر جاتے ہیں۔

آخر مودی (مشیر) نے اُسے اتنا پیٹا کہ کُبڑا ادھڑ سے زمین پر گر پڑا۔ مودی اُس پر بھی اُسے مارتا رہا مگر جب دیکھا کہ چور ہِلتا جُلتا نہیں تو ڈر گیا اور کہنے لگا غضب ہوا۔ میں نے ایک آدمی جان سے مار ڈالا۔ اب میرا بچنا محال ہے۔ آخر کچھ سوچ کر لاش اُٹھا کر بازار کے کونے میں ایک دکان کی دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی۔ ابھی سورج نہ نکلا تھا کہ ایک مال دار نصرانی سوداگر کسی ضیافت سے اپنے گھر واپس آرہا تھا۔اِتّفاق سے اُس کا گزر اُس بازار سے ہوا جہاں مودی (مشیر) کچھ دیر پہلے کبڑے کی لاش کھڑی کر گیا تھا۔ سوداگر اپنی دُھن میں جارہا تھا۔ کبڑے کے دھکّا لگا اور وہ اُس پر آپڑا۔ سوداگر کا خیال پیدا ہوا کہ چور ہے۔ اُس کے ٹھوکریں لگانے لگا اور چِلّایا دوڑ نا دوڑ نا چور ہے چور! یہ شور چوکیدار کے کان میں پہنچا۔ وہ فَوراً وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ ایک نصرانی ایک مسلمان کو مار رہا ہے۔ پوچھا تم ایک مسلمان کے ساتھ اِس بدسلوکی اور بے عزتی سے کیوں پیش آئے؟ سوداگر نے کہا یہ تو میرے کپڑے اتار لیتا پیچھے سے مجھ پر آپڑا اور میرا گلا گھونٹنا چاہتا تھا۔

چوکیدار نے کہا تم نے بھی تو اُسے کافی سزا دے لی اور دل کا بخار نکال لیا۔ بس اب جانے دو اور اُسے چھوڑ دو۔

اتنے ہی میں معلوم ہوا کہ بونا مردہ ہے۔ چوکیدار بولا۔ نصرانی اب ایسے دلیر اور بے باک ہو گئے ہیں کہ خواہ مخواہ ایک مسلمان کے قتل کرنے میں دَریغ (ہچکچاہٹ) نہیں کرتے۔ یہ کہہ کر اُس نے نصرانی کو پکڑ لیا اور قاضی کے گھر لے چلا۔ سوداگر اَثنائے راہ (دورانِ سفر) میں سوچتا جارہا تھا کہ میرے خَفیف (ہلکے) مُکّوں کے صدمے سے آدمی کیوں مر گیا۔ قاضی نے چوکیدار کی رَپَٹ (شکایت) پر لاش کو دیکھا۔ سوداگر سے پوچھا تم نے اُسے مارا ہے؟ اُس سے تو انکار نہ کر سکا کہ یہ مردہ نہیں مگر اُس نے یہ کہا کہ میں نے اُسے نہیں مارا۔ قاضی کو یاد آیا کہ یہ بونا بادشاہ کا مَسخرا تھا۔ پس جب تک بادشاہ کی اجازت نہ لی جائے سزا دینی مناسب نہیں۔ یہ سوچ کر محل شاہی پر پہنچا اور بادشاہ کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ ہم ایسے نصرانی پر رحم نہیں کر سکتے۔ جو ایک مسلمان کا یوں خون کر دے۔اِس پر قاضی نے حکم دیا کہ سولی گاڑھی جائے اور تمام شہر میں مُنادیٰ کی (اعلان کیا) جائے کہ آج ایک نصرانی کو جس نے ایک مسلمان کا خون کر دیا ہے پھانسی دی جائیگی۔ آخر سوداگر کو سولی پر لائے اور جلاد اُسے سُولی پر چڑھانے کو تھا کہ بادشاہ کا مودی (مشیر) رش کو چِیرتا پھاڑتا آگے بڑھا اور چِلا کر بولا: ٹھہر و اِسے سولی نہ دو۔ اِس کا قاتل میں ہوں۔ سوداگر نے تو چور کے دھوکے میں اِس کے مُکّے مارے ہیں۔ قاضی نے کہا اچھا نصرانی کو چھوڑ دو اور اِسے اُس کی بجائے سولی پر چڑھاؤ۔ کیونکہ یہ شخص خود اپنی زبان سے اپنے جرم کا اقراری ہے۔

جلاد نے سوداگر کو چھوڑ کر مودی (مشیر) کو پکڑ لیا اور اُسے سُولی دینے ہی کو تھا کہ یہودی حکیم نے آواز دی اِسے سولی نہ دینا۔ یارو مجھے راستہ دو کہ میں آگے جاؤں اور بتاؤں کہ اصلی قاتل میں ہوں۔ یہ محض بے گناہ ہے۔ میں اپنی غفلت سے اُس کی ہلاکت کا باعث ہوا۔ قاضی کو جب معلوم ہوا کہ اصل قاتل یہو

دی حکیم ہے تو کہا مودی(مشیر) کو چھوڑ دو اور حکیم کو گرفتار کر لو۔ حکیم صاحب دار پر چڑھنے کو تھے کہ درزی آگے بڑھا اور فریاد کی۔ہاں! ہاں! اِسے پھانسی نہ دینا۔یہ محض بے گناہ ہے اِس کبڑے کا قاتل میں ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک بے گناہ میرے جرم کی عِوض سولی چڑھے۔

قاضی حیران تھا کہ کس کو پکڑے اور کسے چھوڑے۔ چاروں اپنی زبان سے اقبالی ہیں۔آخر درزی، حکیم، مودی اور سودا گر چاروں کو ساتھ لے اور کبڑے کی لاش ایک چارپائی پر ڈال کر ایوانِ شاہی کا راستہ لیا کہ بادشاہ سے یہ تمام ماجرا بیان کرے۔

جب بادشاہ کے حضور(دربار) میں حاضر ہوئے تو قاضی نے بادشاہ کے قدموں پر بوسہ دیا اور بونے اور چاروں ملزموں کا صحیح صحیح حال بیان کیا۔یہ قِصّہ ایسا عَجیب و غریب نظر آیا کہ بادشاہ نے خود اپنے میر منشی سے تمام حالات مُفصَّل تحریر کرائے۔

پھر بادشاہ نے ملزموں سے کہا کہ تم سب اپنا اپنا قِصّہ فلاں بوڑھے حجام کو سناؤ۔ یہ حجام کبھی کبھی دربارِ شاہی میں حاضر ہوا کرتا تھا۔جب حجام نے یہ قِصّہ سُنا تو کہا واقعی یہ قِصّہ نہایت عَجیب ہے۔ مگر میں بھی تو بونے کو ذرا قریب سے دیکھوں۔چُنانچہ وہ اُس کے پاس آیا زمین پر بیٹھ گیا۔ بونے کا سر اپنے گھٹنوں میں لے لیا اور غور سے دیکھا تو اُسے ایسی ہنسی آئی کہ لوٹ پوٹ گیا۔ یہ بھی خیال نہ رہا کہ میں بادشاہ کے حُضور(دربار) میں ہوں۔ جب ہوش میں آیا تو بادشاہ نے فرمایا بوڑھے میاں! اتنا کیوں ہنسے؟

حجام نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ حُضور کے تخت کی قسم۔ بونا مرا نہیں ابھی زندہ ہے اور میں ابھی اِس کی تصدیق کرائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنی صندوقچی اٹھائی اور ایک خوشبودار دوا کی شیشی نکال کر بونے کی گردن پر دیر تک ملتا رہا۔ پھر ایک صاف باریک اوزار نکالا اور بونے کا منہ کھول کر اُسے اُس کے حلق میں داخل کر کے مچھلی کا ایک کانٹا نکال کر سب کو دکھایا۔ کانٹا نکلتے ہی بونے کو چھینک آئی ہاتھ پاؤں ہلائے اور جینے کی علامتیں ظاہر ہو گئیں۔

کبڑے کو دوبارہ زندہ دیکھ کر بادشاہ اور حاضرین دربار حیران رہ گئے کہ آٹھ دس پہر(۸،۱۰ گھنٹے) مردہ رہ کر بونا دفعتہً جی اٹھا۔ حجام کے کمال پر اور بھی مُتَعَجِّب تھے کہ اُس نے مردے کو زندہ کر دیا۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا اور حکم دیا کہ درزی، یہودی حکیم، مودی اور نصرانی کو ہمارے روبرو خلعت(شاہی لباس) دیا جائے کہ عمر بھر اِن کو اپنی اپنی سَر گزشت(کہانی) یاد رہے اور حجام کو ایک وَثیقہ(سرکاری سند) عنایت کر کے اپنی خدمت میں رکھ لیا کہ ہمیشہ دربار میں حاضر رہے۔

بوعکاس قاضی کی کہانی:

عرب کے ملک میں ایک شیخ تھا۔ جس کا نام بوعکاس تھا۔ بارہ(۱۲) قبیلوں پر حکومت کرتا تھا۔اُس کی طرف سے ہر ایک قبیلے میں ایک ایک قاضی تھا۔ دانشمند اور ایماندار تھا۔ ملک میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو اُس سے پوشیدہ ہو۔اُس زمانے میں چوروں اور لٹیروں کے ہاتھ سے رِعایا بہت پریشان تھی۔ پہلے بوعکاس نے اُن کی خوب خبر لی اور اُن کا وجود اپنے ملک سے مٹا دیا۔

بوعکاس کی عادت تھی کہ اَجنبی مسافر کا بھیس بدل کر اپنے ملک میں پھرنے کو نکل جاتا تھا اور راستے پر سونے کی مہر پھینک دیتا۔ آپ(خود) دُور کھڑا رہتا اور اُسے نگاہ میں رکھتا۔ اگر کوئی شخص اُسے اُٹھا کر اور جیب میں ڈال کر آگے چل دیتا تو فوراً اپنے کسی افسر کو اشارہ کرتا وہ آگے بڑھ کر جَھٹ اُس شخص کا سر تن سے جُدا کر دیتا۔ یہ وجہ تھی کہ عرب کے لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی بچّہ بھی سر پر سونے کا تاج رکھ کر بوعکاس کے ملک میں سے گزرے تو کسی کی مجال نہیں کہ اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔ شیخ کو کسی طرح معلوم ہوا کہ اُس کے بارہ قبیلوں میں سے فُلاں قبیلے کا قاضی اِس خوبی سے انصاف کرتا ہے کہ اگر اُس کو اپنے زمانے کا سلیمان کہیں تو بجا(درست) ہے۔ بوعکاس نے ارادہ کیا کہ اِس اَمر کا امتحان خود وہاں جا کر کرے۔چُنانچہ اُس نے عام آدمیوں کا سا لباس پہن لیا۔ نہ اپنے

ساتھ کوئی سپاہی لیا نہ خدمت گار اور ایک عربی گھوڑے پر سوار ہو کر اُس شہر کی راہ لی جہاں قاضی رہتا تھا۔ جب شہر کے دروازے پر پہنچا تو ایک لولے نے اُس کی عبا(چادر) کا دامن پکڑ کر سوال کیا۔ بوعکاس نے اُس کو کچھ خیرات کے طور پر دیا لیکن لولے نے پھر بھی دامن نہ چھوڑا۔ شیخ نے پوچھا میں نے تجھے خیرات تو دے دی اور اب کیا چاہتا ہے؟ کیا میں اور بھی تیرے کسی کام آسکتا ہوں؟ لولے نے کہا مجھ جیسے اَپاہج(معزور) کو بچانا تیرے اختیار میں ہے۔ جہاں کا میں قصد رکھتا ہوں وہاں آج میلا ہے اور یہ یقینی بات ہے کہ اگر تو میری مدد نہ کریگا تو میں تماشائیوں، گھوڑوں اور اُونٹوں کے پاوؤں کے نیچے آکر پِس جاؤنگا۔ بوعکاس نے کہا میں کس طرح تجھے بچا سکتا ہوں؟ لولے نے کہا مجھے اپنے پیچھے بِٹھالے اور بازار میں جہاں مجھے کام ہے اُتار دے۔ شیخ نے اِس بات کو منظور کیا اور گھوڑے پر سے جُھک کر لولے کو بڑی مشکل سے اٹھا کر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ جب دونوں بازار میں پہنچے تو شیخ نے کہا لو اب اتر جاؤ۔ لولے نے کہا کس لئے؟ شیخ نے کہا اِس لئے کہ میں اپنا گھوڑا لے جاؤں۔ لولے نے کہا اِس کے کیا معنی؟ گھوڑا تو میرا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اِس شہر کا قاضی نہایت عادل اور انصاف پسند ہے۔ اگر یہ مقدّمہ ہم اُس کے پاس لے جائیں تو وہ یقیناً میرے حق میں فیصلہ کریگا۔ شیخ نے کہا یہ تو خوب بات ہے۔ جب گھوڑا میرا ہے تو وہ تیرے حق میں فیصلہ کیوں کریگا؟ لولے نے کہا کیا تجھے اتنی بھی سمجھ نہیں کہ جب قاضی دیکھے گا کہ تیرے پیر تو صحیح وسلامت ہیں اور میں لولا ہوں۔ تو وہ ضرور یہ کہے گا کہ گھوڑا اُسی شخص کا ہونا چاہئے جس کو اُس کی زیادہ ضرورت ہے۔

شیخ نے کہا اگر وہ ایسا کریگا تو اُس کو عادل کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

لولا یہ سُن کر کہنے لگا کہ اُس کے عادل ہونے میں تو شک نہیں لیکن ایسا کونسا اِنسان ہے جو خطا اور سہو سے خالی ہو؟ شیخ نے اپنے دل میں کہا کہ قاضی کے عدل وانصاف کو جانچنے کا یہ اچھا موقع ہے۔ لولے سے کہا کہ چل میں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ دیکھیں قاضی کیا فیصلہ کرتا ہے۔ جب دونوں قاضی کی عدالت میں پہنچے تو اُن کو معلوم ہوا کہ دو مقدّمے اُن سے پہلے آئے ہوئے ہیں۔

پہلا مقدّمہ ایک فلسفی اور کسان کے درمیان تھا۔ کسان فلسفی کی عورت کو بَھگا کر لے گیا تھا اور اب فلسفی کے منہ در منہ دعوے کرتا تھا کہ عورت میری ہے۔ سب سے زیادہ تَعجُّب کی بات یہ تھی کہ عورت نے ایسی چپ سادھی(خاموشی اختیار کی) تھی کہ وہ کسی کے حق میں بھی اپنی زبان نہ ہلاتی تھی۔ اِس وجہ سے فیصلہ کرنے میں اور بھی دِقّت پیدا ہو گئی تھی۔ قاضی نے دونوں کے بیان نہایت غور سے سُنے کچھ دیر اپنے دل میں سوچا اور پھر کہا عورت کو یہاں چھوڑ جاؤ اور کل حاضر ہو۔ فلسفی اور کسان سلام کر کے رُخصَت ہوئے اور ایک قصائی اور ایک تیلی(تیل فروش) پیش ہوا۔ تیلی کا جسم تیل سے تر تھا اور قصائی کا خون سے ۔ قصائی نے کہا جناب قاضی صاحب میں نے کچھ تیل اِس آدمی سے خریدا اور جیب سے بٹوا نکالا کہ اُس کو قیمت دوں۔ روپیہ نے اِس کا دل للچایا اور اُس نے میرے سے زبردستی چھیننا چاہا۔ میں نے سمجھایا بہت لیکن اُس نے مجھے نہ چھوڑا۔ میں تو مٹھی میں رُوپیہ دبائے ہوئے ہوں اور یہ میری کلائی تھامے ہوئے ہے۔ انصاف کے لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔ جو کچھ میں نے کہا یہ بالکل ٹھیک ہے اور میں اِس کی قسم کھاتا ہوں۔

تیلی نے جواب دیا: قاضی صاحب! یہ آدمی میری دکان پر تیل لینے آیا، جب اِس کی بوتل بھر گئی تو اُس نے ایک مہر نکالی اور مجھ سے ریز گاری مانگی(یعنی رقم مانگے) میں نے اپنی جیب سے کچھ روپے نکالے اور اُن کو تخت پر رکھ دیا۔ اُس نے فَوراً اُٹھا لئے اور چاہتا تھا کہ روپے اور تیل لے کر بھاگ جائے کہ میں نے اُس کی کلائی پکڑ لی اور چِلانے لگا چور ہے چور۔ میں کتنا ہی چیخا چِلایا۔ اُس نے روپے ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اب میں اُسے آپ کے پاس پکڑ کر لایا ہوں اور یہ جو کچھ میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے اور میں اِس کی قسم کھاتا ہوں۔

قاضی نے ہر ایک کے بیان دو بارہ بھی لئے لیکن اُنہوں نے دو بارہ بھی وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ قاضی نے تھوڑی دیر اپنے دل میں غور کیا اور پھر کہا روپے میرے پاس چھوڑ جاؤ اور تم کل آؤ۔ قصائی نے روپے مَسند کے کنارے سے پرے (دور) رکھ دیئے۔ دونوں نے سلام کیا اور رُخصَت ہوئے۔ اب بوعکاس اور لولے کی باری آئی شیخ نے کہا جناب قاضی صاحب! میں ایک دور دراز ملک سے اِس شہر میں کچھ سودا گری کا مال خریدنے آیا ہوں۔ شہر کے دروازے پر مجھے یہ لولا ملا۔ اُس نے پہلے تو خیرات مانگی اور پھر یہ اِلتجا کی کہ مجھے اپنے پیچھے گھوڑے پر چڑھالو۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے بازار میں لوگ روند ڈالیں۔ میں نے یہ بات منظور کی لیکن جب ہم بازار میں پہنچے تو اِس نے گھوڑے پر سے اُترنے سے انکار کیا اور کہا گھوڑا تو میرا ہے۔ یہ بھی کہا کہ قاضی صاحب میرے ہی حق میں فیصلہ کرینگے۔ لولا ہوں اور مجھی کو گھوڑے کی ضرورت زیادہ ہے۔ اب قاضی صاحب! اصل بات یہ ہے جو میں نے بیان کی اور میں آپ کے سامنے اِس بات کی قسم کھاتا ہوں۔ لولے نے کہا: جناب قاضی صاحب! میں بازار کو کسی کام کے لئے آرہا تھا اور اِس گھوڑے پر جس کا میں مالک ہوں یہ آپہنچا تھا۔ سڑک کے کنارے میں نے اِس شخص کو تھکان سے اَدھ مؤا (چُور) پایا، میں نے ترس کھا کر اُس سے کہا: میرے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو جا میں تجھے بازار میں اتار دونگا۔ اُس نے یہ بات خوشی سے مان لی۔ تَعَجُّب کی بات ہے کہ جب ہم بازار میں پہنچے تو اُس نے گھوڑے پر سے اترنے سے انکار کیا اور الٹا مجھے جھٹلانے لگا، گھوڑا تو میرا ہے، میں اِس کو فَوراً آپ کی خِدمَت میں لایا۔ یہ جو کچھ میں نے آپ کے روبرو عرض کیا، بالکل ٹھیک ہے اور میں اِس بات کی قسم کھاتا ہوں۔

قاضی نے ہر ایک کا بیان دو بارہ لیا پھر کچھ دیر تک دل میں سوچا اور کہا گھوڑا یہاں چھوڑ جاؤ اور کل یہاں حاضر ہو۔ شیخ اور لولا سلام کر کے رُخصَت ہوئے۔ دوسرے دن مقدّمے والوں کے بہت سے لوگ قاضی کے فیصلے سننے کے لئے جمع ہوئے۔ پہلے فلسفی اور کسان پیش ہوئے، قاضی نے فلسفی سے کہا: یہ عورت تیری ہے، تو اِسے لے جا اور اپنے قابو میں رکھ پھر ایک ملازم کی طرف مخاطب ہو کر کہا: اُس کسان کو پچاس دُرّے لگاؤ، اُس کے حکم کی فَوراً تعمیل کی گئی اور فلسفی اپنی عورت لے کر رُخصَت ہوا پھر تیلی اور قصائی پیش ہوئے، قاضی نے قصائی سے کہا: لے یہ اپنے روپے یہ تیرا ہی مال ہے، تیلی کا نہیں، پھر تیلی کی طرف اشارہ کر کے ایک ملازم کو حکم دیا کہ اِس کے پچاس دُرّے لگاؤ۔ سزا فَوراً دی گئی اور قصائی خوشی خوشی روپے لے کر چلتا ہوا۔

بوعکاس اور لولا پیش ہوئے، قاضی نے شیخ سے کہا: اگر تیرے گھوڑے کو اور گھوڑوں میں مِلادیں تو کیا پھر بھی پہچان لے گا؟ شیخ نے کہا: بے شک پہچان لوں گا پھر قاضی نے یہی سوال لولے سے کیا اور لولے نے بھی وہی جواب دیا۔ قاضی نے شیخ سے کہا: میرے پیچھے پیچھے آؤ، اب یہ دونوں ایک اِصطبل میں داخل ہوئے بوعکاس نے اپنے گھوڑے کو پہچان لیا۔ قاضی نے کہا: اچھا تُو عدالت میں جا اور لولے کو یہاں بھیج دے، شیخ حکم بجالایا، لولا گھسٹتا ہوا اِصطبل میں پہنچا، حافظہ بہت تیز تھا، اُس نے بِلا تامل اپنا ہاتھ اُسی گھوڑے پر رکھ دیا۔ جس کے لئے دونوں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ قاضی نے کہا: بہت اچھا عدالت میں چل۔ قاضی اِصطبل سے واپس ہو کر عدالت میں آیا اپنی مسند پر بیٹھا اور بوعکاس سے کہا گھوڑا تیرا مال ہے، اِصطبل کو جا اور لے لے پھر اپنے ملازم کی طرف مخاطب ہو کر کہا: اس لولے کے پچاس درّے لگاؤ حکم کی فَوراً تعمیل کی گئی اور شیخ اپنا گھوڑا لے کر چل دیا۔

جب قاضی اپنے گھر آیا تو اُس نے دیکھا کہ بوعکاس دروازے پر کھڑا اُس کا انتظار کر رہا ہے۔ قاضی نے پوچھا یہاں مکان پر آنے کی کیا وجہ ہے۔ کیا تجھے میرا فیصلہ پسند نہیں آیا؟ شیخ نے جواب دیا فیصلہ تو بالکل ٹھیک ہے لیکن میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ایسا صحیح اور درست فیصلہ آپ نے کس طرح کیا؟ کیونکہ مجھے اِس بات کا یقین ہے کہ جس طرح میرے مقدّمے کا فیصلہ ٹھیک ہوا ہے۔ اسی طرح باقی کے دو مقدّموں کا بھی ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہوا ہو گا۔ میرا نام بوعکاس ہے اور میں تیرا شیخ ہوں، تیری عقل اور دانائی کی شہرت سُنی تھی، اُس کے امتحان کے لئے میں خود بھیس بدل کر یہاں آیا ہوں۔ شیخ نے کہا: میں دریافت کرنا چا

بتاہوں کہ کن وجوہات پر تو نے یہ فیصلے کئے؟ قاضی نے کہا: اے میرے معزز اور بزرگ شیخ! وہ وجوہات جن پر میں نے فیصلے کئے نہایت آسان ہیں، آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ تمام جھگڑے والی چیزوں کو میں نے ایک رات اپنے پاس رکھا۔ شیخ نے کہا: مجھے یاد ہے، قاضی نے کہا: علی الصبح میں نے عورت کو بلایا اور اُس سے کہا کہ دوات میں نئی سیاہی ڈال، میں نے یہ حکم اُس کو اچانک دیا لیکن اُس نے فوراً اُس کام کو اِس خوبی سے کیا جیسے کوئی صد ہا مرتبہ کر چکا ہو، پہلے اُس نے صوف(اون) نکالا پھر دوات اور صوف(اون) کو دھویا اور یہ کام ایسی صفائی اور پھرتی سے کیا کہ مجھے یقین ہوگیا کہ یہ فلسفی کی عورت ہے اگر کسان کی عورت ہوتی تو اِس خوبی اور صفائی سے یہ کام نہ کرتی۔

بوعکاس نے کہا: آپ نے درست فرمایا۔ قاضی نے کہا: آپ کو یاد ہوگا کہ تیلی کے کپڑے اور ہاتھ تیل میں لتھڑے ہوئے تھے، میں نے رات کو روپے پانی میں ڈال دئے، آج صبح جو میں نے دیکھا تو پانی پر تیل کا بالکل اثر نہ تھا اِس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر یہ روپے تیلی کے ہوتے تو ہاتھوں کی چکناہٹ پانی کی سطح پر آجاتی مگر ایسا نہ ہوا، اس لئے قصائی کا دعویٰ ٹھیک تھا۔ بوعکاس نے کہا: آپ نے بہت صحیح نتیجہ نکالا اور ٹھیک فیصلہ کیا۔ اب میرے مقدّمے کے متعلق بھی کچھ ارشاد فرمایئے۔ قاضی نے کہا: یہ مقدّمہ واقعی نہایت مشکل تھا اور میں بہت پریشان تھا کہ اِس کا فیصلہ کس طرح کروں۔ میرا خیال تھا کہ لولا گھوڑے کو نہ پہچان سکے گا مگر میری امید کے خلاف اُس نے فوراً گھوڑا پہچان لیا۔ شیخ نے کہا: پھر آپ نے کس طرح معلوم کیا کہ وہ گھوڑے کا مالک نہیں؟ میں نے اِس طرح حل کیا کہ جب آپ اور لولا گھوڑا پہچاننے کے لئے اِصطبل میں آئے تو میں اِس بات کو دیکھتا رہا کہ گھوڑا بھی آپ کو پہچانتا ہے یا نہیں۔ آپ جب گھوڑے کے پاس آئے تو گھوڑے نے آپ کی طرف رخ کیا اور بڑی خوشی سے ہِنْہِنایا لیکن جب لولا اُس کے قریب آیا تو اُس نے مارنے کے لئے لات اُٹھائی پس مجھے یقین ہوگیا کہ آپ ہی اُس کے مالک ہیں، شیخ نے تھوڑے سے سکوت کے بعد قاضی سے مخاطب ہو کر کہا: واقعی خدا تعالیٰ نے آپ کو بے حد عقل اور دانائی عطا فرمائی ہے، جو تعریف میں نے آپ کی سُنی تھی اُس سے بڑھ کر پایا۔ آپ اِس لائق ہیں کہ میری جگہ آپ ہوتے اور میں آپ کی جگہ پھر بھی مجھے اندیشہ ہے کہ آپ تو اپنے آپ کو شیخ کے عہدے کے قابل ثابت کرتے اور میں آپ کے عہدے کے لائق ہر گز ثابت نہ ہوتا۔

فقط والسلام

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

۱۳ ذیقعد ۱۴۲۲ھ

بہاول پور، پاکستان